رمضان
ماہ خودسازی

ماہنامہ

راہ اسلام

شمارہ ۲۶ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ

نشریہ جوانان

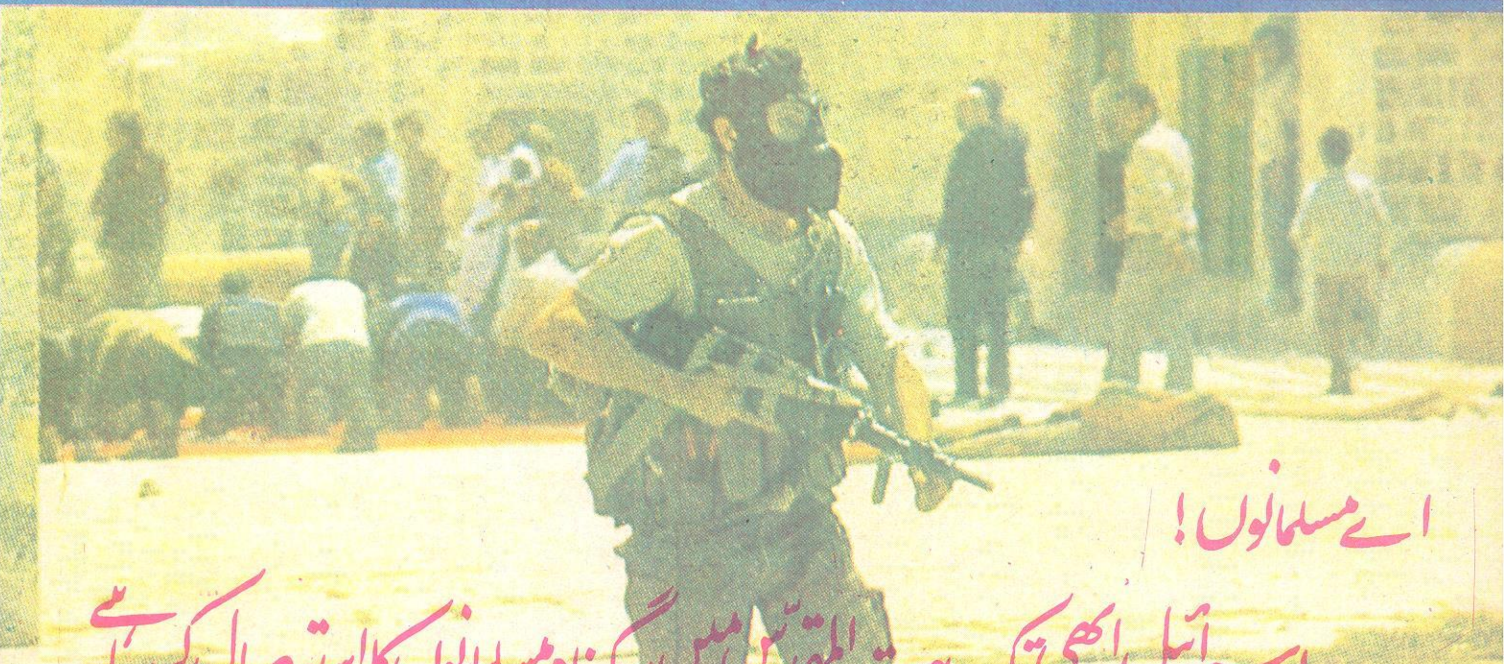

اے مسلمانو!

اسرائیل ابھی تک بیت المقدس میں بیگناہ مسلمانوں کا استیصال کررہا ہے

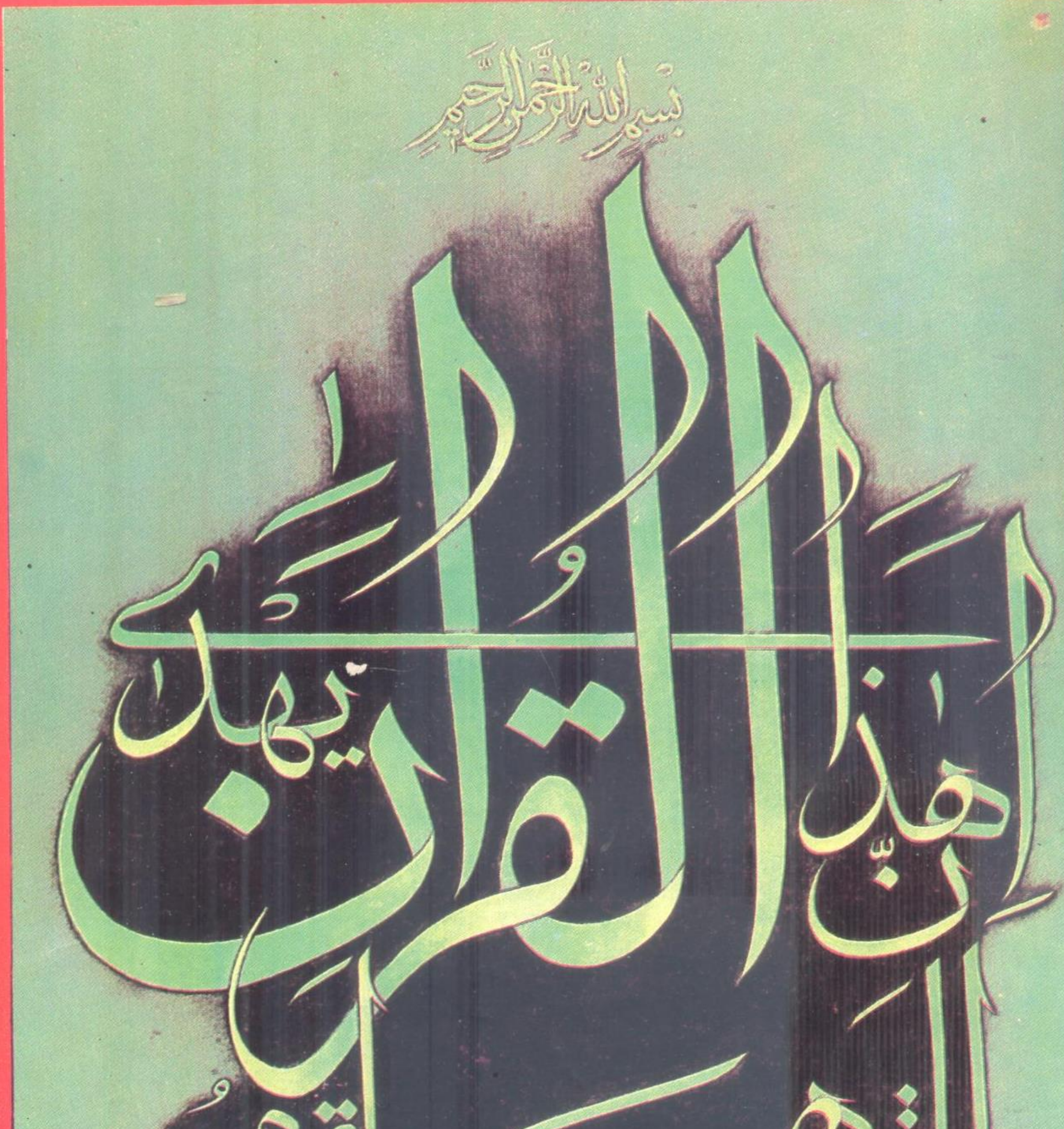

Surely this Qur'an guides to that which is most upright and gives good news to the believers who do good that they shall have a great reward. Holy Qur'an: (17:10)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

اس شمارے میں

۱ - اداریہ : آزادیٔ بیت المقدس ۱
۲ - تعلیمات قرآن ۳
۳ - اقوال امام ۴
۴ - رمضان المبارک .. خودسازی کا مہینہ ۵
۵ - اسوہ ھا ۷
۶ - اسلام میں خواتین کے حقوق از۔ شہید مرتضیٰ مطہری ۱۱
۷ - مشین اپنے نظام کی قید میں از۔ ڈاکٹر علی شریعتی ۱۴
۸ - داستان راستان از۔ شہید مرتضیٰ مطہری ۱۶
۹ - معراج فکر و خیال ۲۴
۱۰ - فارسی سیکھو ۲۵
۱۱ - چہرے ۲۷
۱۲ - تعدّد ازدواج از۔ مجتبیٰ موسوی لاری ۲۹
۱۳ - نظم ۳۰
۱۴ - خطبۂ نماز جمعہ از۔ ہاشمی رفسنجانی ۳۲
۱۵ - چودہ ؟ ایک انعامی مقابلہ ۴۱
۱۶ - تعلیمات نہج البلاغہ از۔ آیت اللہ منتظری ۴۲
۱۷ - کشکول ۴۷
۱۸ - مارکسیزم از۔ احسان طبری ۴۹
۱۹ - پیام شہداء ۵۱
۲۰ - ایران کا اسلامی انقلاب از سیدہ عذرا زیدی ۵۲
۲۱ - صحیح جوابات ۵۵
۲۲ - ایران و جہان اسلام ۵۶

شائع کردہ : خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران
۱۸ تلک مارگ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱
فون : ۳۸۲۵۸۰
قیمت : تین روپے
طابع : ایرانین آرٹ پرنٹرز ۱۵۳۴ گلی قاسم جان دہلی

ماہنامہ
راہ اسلام
شمارہ ۲۶ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ

اداریہ

آزادی بیت المقدس

ایک اہم اسلامی فریضہ

رمضان پاکیزگی نفس اور روحانی تعمیر و ترقی کا مہینہ ہے۔ یہ ایسے لوگوں کی بندگی کی معراج ہے جو اس مہینے کے حقیقی فیوض و برکات سے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس مہینے میں انسان الہٰی ضیافت میں شرکت کرتا ہے اور اس مہینے کی برکت سے جو ایمانی قوت حاصل ہوتی ہے اس کی مدد سے وہ بندگیٔ معبود کی مشق کرتے ہیں اور اپنی بھرپور کوشش کے ذریعہ منزل کمال کیطرف پیش قدمی کرتے ہیں۔

رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جو انسان کی عبادت اور بندگیٔ پروردگار کے مقابلے میں شرکت کی دعوت دیتا ہے۔ اس ماہِ مبارک میں روزہ دار کی شدید تشنگی اسے بہشت میں کوثر کے صاف اور شفاف چشمے تک پہونچنے کی ضمانت ہے اور روزہ دار کی بھوک اس بات کا پیش خیمہ ہے کہ

اسے جنت الفردوس کی عدیم المثال نعمتیں حاصل ہونے والی ہیں۔ اس ماہِ مبارک میں عابد وزاہد، متقی و پرہیزگار لوگوں کو الٰہی ضیافت میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔ اس مبارک دعوت میں ان لوگوں کی گنجائش نہیں ہے جو بھر پیٹ کھانا کھائے ہوئے ہیں۔ یہ دعوت ان بھوکے لوگوں کے لئے مرتب کی گئی ہے جو دعوتِ حق پر لبیک کہتے ہیں اور خالی پیٹ بارگاہِ خداوندی کی راہ پر گامزن ہیں اور اپنے سوکھے ہوئے ہونٹوں سے خداوندِ قادر و متعال کی چوکھٹ کا بوسہ دے رہے ہیں۔ اس مہینے میں ہر افطار کے وقت نہ صرف یہ کہ روزہ دار اپنا روزہ کھولتا ہے بلکہ وہ کمینی صفات کے جال کو توڑ کر دور پھینک دیتا ہے۔ درحقیقت رمضان المبارک نفسِ امارہ کے فریب سے نجات حاصل کرنیکا مہینہ ہے۔ یہ ہوس کی زنجیروں سے باہر نکلنے کا مہینہ ہے۔ یہ وہ راہ ہے جس کی انتہا پروردگار کی رضا و خوشنودی ہے۔ ماہ رمضان ان لوگوں کے لئے مقابلے کا میدان ہے جو جہادِ اکبر کے محاذ پر اذانِ صبح سے لیکر غروبِ آفتاب تک اپنے پروردگار کی بندگی میں مصروف رہتے ہیں اور اپنے آپ کو اس بات کے لئے آمادہ کرتے ہیں کہ ابوابِ رحمتِ الٰہی سے خوشہ چینی کرسکیں اب دیکھنا یہ ہے کہ دنیاوی دلچسپیوں سے کنارہ کش اور مذہبی احکام کی پیروی کرنے والے روزہ دار کو اس مہینے میں کن عظیم فرائض کی ادائیگی کا کام انجام دینا ہے۔

پیغمبرِ اسلام کی حدیث ہے کہ "مَنْ اَصْبَحَ وَلَمْ یَهْتَمَّ بِاُمُورِ الْمُسْلِمِیْنَ فَلَیْسَ بِمُسْلِمٍ"۔ یعنی جو شخص صبح اٹھے اور مسلمین کے امور یعنی ان کی فلاح و بہبود کی فکر نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ روزہ دار مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس ماہ مبارک میں مظلوم اور آوارہ وطن فلسطینی مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور مسلمانوں کے قبلۂ اول کی آزادی کی فکر کرے۔ اس ماہ کی عظمت و فضیلت یہ ہے کہ عبادتِ الٰہی کے اس مہینہ میں روزہ دار کی قوتِ ایمانی میں غیر معمولی اضافہ ہوجاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے انسانی زندگی کے عباداتی اور عرفانی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اس کی سیاسی اور سماجی زندگی کو بھی غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ یعنی اسلام صرف عبادت اور عرفانی ترقی کا متقاضی نہیں بلکہ یہ سیاسی اور سماجی وقار کی حفاظت و بحالی کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔ پس عبادت و بندگی کے اس مبارک مہینے میں دنیا کے بڑے ظالموں کے مقابلے میں ثابت قدمی کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی عظمت و بزرگی اور شرف و وقار کا مظاہرہ کیا جاسکتا ہے اگر اس مبارک مہینے میں دنیا کے تمام مسلمان عظیم الشان اسلامی اجتماعات کے ذریعہ اپنی وحدتِ اسلامی کا مظاہرہ کریں اور مشرق و مغرب کے ظالموں کے خلاف اسلامی طاقت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں تو اسلام و مسلمانوں کے جانی دشمنوں کے حوصلے پست ہوجائیں گے اور ان میں اتنی ہمت باقی نہ رہ جائے گی کہ مسلمانوں کو وحشیانہ مظالم کا شکار بنا سکیں۔

شاید یہی وجہ ہے کہ امام خمینی نے رمضان المبارک کے آخری جمعہ یعنی جمعۃ الوداع کو یوم قدس کے نام سے یاد کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یوم قدس کے لئے رمضان المبارک کے آخری جمعہ کا انتخاب انقلابِ اسلامی ایران کی قیمتی ایجاد ہے۔ درحقیقت اس عظیم و مبارک مہینے میں ذکرِ

(باقی ص ۳۴ پر)

انقلاب اسلامی ایران نے اپنی کامیابی کے فوراً بعد فلسطین اور بیت المقدس کی آزادی کی پُرزور تحریک شروع کر دی اور ان لوگوں کو امتِ اسلامیۂ عالم کے سامنے بے نقاب کرنا شروع کر دیا جو بات چیت اور مذاکرات کے ذریعہ فلسطین کی آزادی کا ڈھونگ رچاتے ہوئے فلسطینی مظلوموں کے ساتھ خیانت کر رہے ہیں اور امریکہ و اسرائیل کو فائدہ پہنچانے میں ہمہ تن سرگرم ہیں

تعلیماتِ قرآن

ماہ رمضان و شب قدر

إِنَّا أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ج
وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ه
لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ
شَهْرٍ ط ه

ہم نے (اس قرآن) کو شبِ قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا اور تم کو کیا معلوم شب قدر کیا ہے، شب قدر (مرتبہ اور عمل میں) ہزاروں مہینوں سے بہتر ہے۔ (سورۂ قدر آیات ۱ تا ۳)

حٰمٓ ه وَٱلْكِتَٰبِ ٱلْمُبِينِ ه إِنَّآ
أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةٍ مُّبَٰرَكَةٍ
إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ه

حم۔ واضح وروشن کتاب (قرآن) کی قسم ہم نے اس کو مبارک رات (شب قدر) میں نازل کیا۔ بیشک ہم (عذاب سے) ڈرانے والے تھے۔

(سورۂ دخان آیت ۱ تا ۳)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ
عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ
عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ه

اے ایمان والو! روزہ رکھنا جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض تھا اسی طرح تم پر بھی فرض کیا گیا تاکہ تم (اس کی وجہ سے) بہت سے گناہوں سے بچو۔ (سورۂ بقرۃ۔ آیت ۱۸۳)

...... فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ ٱلشَّهْرَ
فَلْيَصُمْهُ ط وَمَن كَانَ مَرِيضًا
أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ
أَيَّامٍ أُخَرَ ط يُرِيدُ ٱللَّهُ بِكُمُ
ٱلْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ ٱلْعُسْرَ ز
وَلِتُكْمِلُوا۟ ٱلْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا۟
ٱللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَىٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُونَ ه

تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں اپنی جگہ پر ہو تو اس کو چاہیئے کہ روزہ رکھے اور جو شخص بیمار ہو یا (پھر سفر میں ہو تو اور دونوں میں گنتی پوری کرے۔ خدا تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ سختی کرنا نہیں چاہتا اور (شمار کا حکم اس لئے دیا ہے) تاکہ تم (روزوں کی) گنتی پوری کرو اور تاکہ خدا نے جو تم کو راہ پر لگا دیا ہے اس نعمت پر اسکی بڑائی کرو اور تاکہ تم شکر گذار بنو۔

(سورۂ بقرہ آیت ۱۸۵)

...... وَكُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ
لَكُمُ ٱلْخَيْطُ ٱلْأَبْيَضُ مِنَ ٱلْخَيْطِ
ٱلْأَسْوَدِ مِنَ ٱلْفَجْرِ ص ثُمَّ
أَتِمُّوا۟ ٱلصِّيَامَ إِلَى ٱلَّيْلِ ج

...... اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) کالی دھاری سے (آسمان پر پورب کی طرف) تمہیں صاف نظر آنے لگے پھر رات تک روزہ پورا کرو۔ (سورہ بقرۃ آیت ۱۸۷)

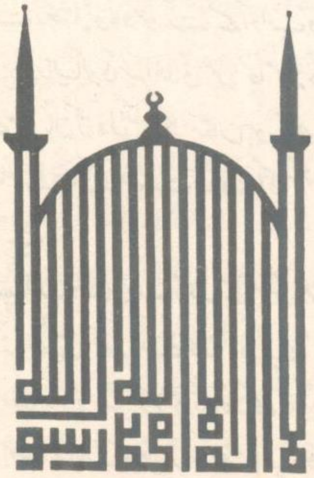

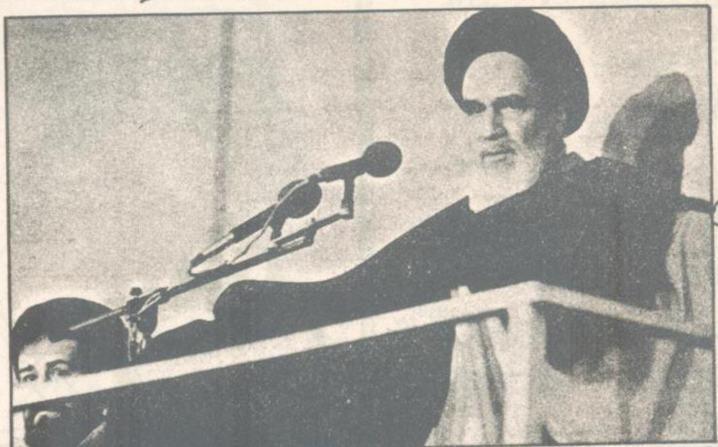

اقوال امام

ماہ رمضان، ماہ خودسازی

۱ - رسول مقبولؐ کی حدیث ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں خداوند عالم نے لوگوں کو الٰہی ضیافت میں شرکت کیلئے مدعو کیا ہے۔ پس اس مہینے میں مومنین اپنے پروردگار کے مہمان ہیں مہمان کو چاہیئے کہ وہ اپنے میزبان سے بخوبی واقف ہو، اس کی قدر و منزلت کی معرفت رکھتا ہو، دعوت کے آداب و رسوم سے باخبر ہو اور ایسا کوئی غیر اخلاقی عمل انجام نہ دے جس سے میزبان کی دل شکنی کا امکان ہو۔ مختصر یہ کہ خداوند عالم کے مہمان کو عظمت خداوندی کی مکمل معرفت رکھنی چاہیئے۔

۲ - آپ لوگ رمضان المبارک کے تیس دنوں میں اپنی زبان، اپنی آنکھ، اپنے کان، اور اپنے بدن کے تمام اعضاء وجوارح پر کڑی نگاہ رکھنے کا فیصلہ کر لیجئے اور ہمیشہ اس بات کا خیال رکھئے کہ آپ جو کام انجام دینا چاہتے ہیں، آپ اپنی زبان سے جو بات کہنا چاہتے ہیں اور اپنے کان سے جو بات سننا چاہتے ہیں اس کے بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟

۳ - روزہ کا مطلب صرف کھانے پینے سے پرہیز اختیار کرنا ہی نہیں ہے بلکہ گناہوں سے بھی علیحدگی اور کنارہ کشی اختیار کرنا لازمی ہے اور یہ روزہ کے بنیادی آداب میں سے ایک ہے پس آپ لوگوں کو روزہ کے اولین آداب کی پیروی کرنی چاہیئے اور جیسے آپ اپنے پیٹ کو کھانے پینے کی چیزوں سے علیحدہ رکھتے ہیں اسی طرح آنکھ، کان اور زبان کو بھی گناہوں سے دور رکھنا چاہیئے۔

۴ - کہیں ایسا نہ ہو کہ رمضان المبارک کے مہینے میں آپ سے کوئی غیبت کسی طرح کی تہمت یا کوئی گناہ سرزد ہو جائے۔ اور پروردگار کے مہمان خانے میں آپ گناہ ومعصیت سے آلودہ ہو جائیں چونکہ اس مہینے میں آپ کو الٰہی ضیافت میں شرکت کے لیے مدعو کیا گیا ہے لہٰذا اس عظیم الشان دعوت کیلئے اپنے آپ کو بخوبی آمادہ کر لیجئے۔

۵ - اگر ماہ رمضان المبارک کے اختتام پر آپ کے اعمال و کردار میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور رمضان سے قبل تمہاری جو راہ روش تھی اس میں کوئی فرق نہیں ہوا تو اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ آپ سے جس روزہ کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ حقیقی طور پر انجام نہیں پایا اور آپ نے عام اور حیوانی روزہ رکھا ہے۔

۶ - ماہ مبارک کا آخری جمعہ یوم قدس ہے اور احتمال قوی ہے کہ رمضان کے آخری دس دنوں کے درمیان شب قدر ہے .... یوم قدس اور شب قدر کے درمیان بڑی قربت پائی جاتی ہے۔ پس لازم ہے مسلمانوں کے درمیان یوم قدس کا احیاء کیا جائے اور یہ تمام مسلمانوں کی بیداری کا سبب بن جائے۔

۷ - خداوند عالم انشاءاللہ، ہمیں ایک نہ ایک دن بیت المقدس پہونچنے اور وہاں نماز ادا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے گا۔ ہمیں امید ہے کہ دنیا کے تمام مسلمان یوم قدس کی عظمت وہیبت کا خیال رکھتے ہوئے جمعۃ الوداع کے موقع پر مظاہرہ کریں گے اسلامی اجتماعات کا اہتمام کریں گے اور مسجدوں سے بیت المقدس کی آزادی کیلئے فلک شگاف نعرہ بلند کریں گے۔ اگر دنیا کے ایک ارب مسلمانوں نے ایک ساتھ اپنی آواز بلند کر دی تو اسرائیل ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس نعرے سے اسرائیل پر غیر معمولی خوف طاری ہو جاتا ہے۔ ●

رمضان المبارک

خودسازی کا مہینہ

شَہرُ رَمَضانَ الَّذِیٓ اُنزِلَ فِیہِ القُرآن

رمضان المبارک عبادت خداوندی، پاکیزگی نفس اور خودسازی کا مہینہ ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اس مقدّس مہینے کو الٰہی عبادتوں کیلئے مخصوص قرار دیا گیا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں پروردگار عالم نے نزول قرآن کے ذریعہ دنیا والوں کو حقائق اور معارف سے روشناس کرا دیا۔ تاکہ اس مضبوط رسّی یعنی قرآن پاک سے تمسک کے سایہ میں دنیائی بشریت کو سعادت و سربلندی حاصل ہو جائے اور انسان ضلالت و گمراہی کے گڑھے سے نکل کر نور ہدایت کا راستہ اختیار کر سکے یہی وہ مہینہ ہے جس میں شب قدر کی تخلیق کی گئی اور اسے لیل اللہ کے نام سے یاد کیا گیا۔

رمضان رحمت الٰہی کا مہینہ ہے۔ اس مبارک مہینہ میں انسان کو اپنی کمزوریوں کا احساس ہو جاتا ہے، اور اپنی جسمانی کمزوریوں کی مکمل شناخت کے بعد وہ مضبوط ارادے کے ساتھ ان کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے مناسب اور موثر قدم اٹھاتا ہے۔

اس مہینہ کے درمیان انسان کو اپنے ایمان کی تقویت کی فکر کرنی چاہیئے اور فقط اس راہ پر قدم رکھنا چاہیئے جس کی نشاندہی خود پروردگار نے کی ہے۔ اس مقدّس مہینے میں وہی کام انجام دینا چاہیئے جس سے معبود حقیقی کی رضا و خوشنودی حاصل ہو جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خداوند عالم بندوں کی عبادت سے بالکل بے نیاز ہے اس نے تو عبادت کو انسان کی راہ و روش قرار دیا ہے تاکہ اس راہ پر چلتے ہوئے اسے منزل کمال حاصل ہو جائے اور وہ سعادت و ہدایت کی دولت سے مالا مال ہو جائے۔

> رمضان رحمتِ الٰہی کا مہینہ ہے۔ اس مبارک مہینہ میں انسان کو اپنی کمزوریوں کا احساس ہو جاتا ہے اور اپنی جسمانی کمزوریوں کی مکمل شناخت کے بعد وہ مضبوط ارادے کے ساتھ ان کمزوریوں کو دور کرنے کیلئے موثر قدم اٹھاتا ہے

رمضان المبارک کے مہینے میں انسان کو ریاضت کی مشق کرنی چاہیئے تاکہ اس کا جسم اور اس کی روح اتنی مضبوط ہو جائے کہ وہ انسانی معاشرہ میں موجود گوناگوں مشکلات اور پریشانیوں کا مقابلہ کر سکے اور اس کے محاذ حق میں معمولی سی کمزوری نہ پیدا ہونے پائے۔

رمضان المبارک معاشرہ کے مفلس، کمزور، پسماندہ اور مفلوک الحال و بھوکے لوگوں کے حالات کا اندازہ لگانے کا بہترین موقع ہے تاکہ ان کے حالات کا صحیح تجزیہ کرنے کے بعد باہمی امداد اور حمایت کے ذریعہ ان کی پریشانیوں کو دور کیا جا سکے اور ایسے حالات پیدا ہوں جن کے سایہ میں غربت و امیر کے فرق کو کسی حد تک دور کیا جا سکے۔

اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس ماہ مبارک کے روزہ کا یہ اثر ہے کہ اس سے جسم سے زیادہ روح کو قوّت حاصل ہوتی ہے مسلمانوں کے پانچویں امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ "اذا صمت فلیصم سمعک وبصرک وجلدک" "جب تم نے روزہ رکھ لیا تو تمہارے کان، تمہاری آنکھ اور جسم کی کھال کو بھی روزہ رکھنا چاہیے"، اسی طرح پیغمبر اسلام ماہ شعبان کے آخری خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنی زبان کی نگرانی کیجیے اور اپنی آنکھوں و اپنے کانوں کو ایسی چیزوں کے دیکھنے اور سننے سے باز رکھئے جن کا دیکھنا اور سننا حلال اور جائز نہیں ہے۔ ہر سال رمضان المبارک میں تیس دنوں تک روزہ رکھنے کا ایک فلسفہ یہ ہے کہ محض کھانا اور سونا ہی مقصد اور معیار زندگی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس حقیقت کا انکشاف بھی ہو جائے

کہ صرف مادی فلاح و بہبود زندگی کی آرام و آسائش ہی مقصد زندگی نہیں ہے۔ دنیا وہ جگہ ہے جہاں انسان کو الٰہی اقدار کی ترقی کی فکر کرنی چاہیئے یہ فقط مشغی اور حیوانی زندگی بسر کرنے کی جگہ نہیں ہے کہ پیداوار اور خرچ کو مقصد قرار دیا جائے۔ روزہ کے ذریعہ ہمیں حیوانی زندگی سے نجات حاصل کرتے ہوئے الٰہی اور انسانی زندگی کی طرف پیش قدم ہونا چاہیئے۔

رمضان المبارک کے مہینے میں انسان کو الٰہی ضیافت میں شرکت کیلئے مدعو کیا گیا ہے۔ رسم یہ ہے کہ کسی کلاس میں شرکت کیلئے پہلے اس کی تیاری کی جاتی ہے۔ ماہ رمضان بھی ایک کلاس روم کی حیثیت رکھتا ہے اور تمام بنی نوع انسان اس کلاس کے شاگرد ہیں۔ درحقیقت ماہ رمضان ہم لوگوں کو عظیم درس دیتا ہے۔ ماہ رمضان کے مختلف درس کا مختصر تذکرہ اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے۔

اول:۔ تلاوت قرآن اور دیگر عبادتوں کے ذریعہ فکری تربیت حاصل ہوتی ہے۔ ماہ مبارک رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔ یہ دعا و پرہیزگاری کیلئے ہے اور اندرونی و بیرونی شیاطین کے خلاف جدوجہد کا مہینہ ہے۔ یہ وہ عظیم مہینہ ہے جسے شہر اللہ کا مرتبہ حاصل ہے۔ یہ مبارک ماہ خدا گناہوں کی بخشش کا مہینہ ہے۔ یہ ان لوگوں کے گناہوں کی معافی کا مہینہ ہے جن سے غفلت و لاعلمی کی وجہ سے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ تلاوت کلام پاک اور دیگر عباداتی اعمال کا ثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ اس مہینہ میں قرآن مجید کا بغور مطالعہ کرنا چاہیئے اور پیغمبرؐ و دیگر ائمہ معصومین کی سیرتوں پر پوری طرح عمل کرنا چاہیئے۔ اس مہینہ کی برکت کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک آیت کی تلاوت میں ختم قرآن کا ثواب ملتا

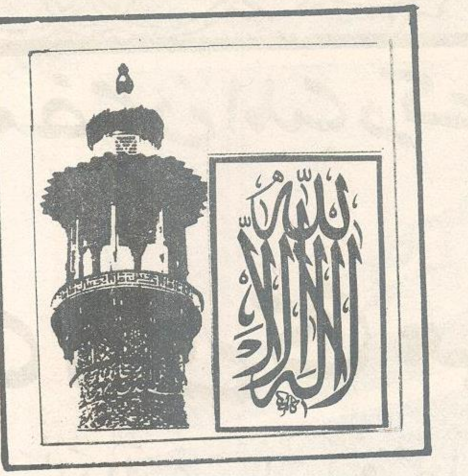

ہے کیونکہ اس مہینہ میں ہم اس عظیم کلاس میں شاگرد کی حیثیت رکھتے ہیں جس میں تمام چیزوں کا سیکھنا اور اس پر عمل کرنا لازمی کہا گیا ہے۔

دوم:۔ اس درس میں اعلیٰ اور بلند مرتبہ انسانی اخلاق کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ آنکھ، کان، ناک زبان بلکہ اپنے پورے وجود کو خوشنودی پروردگار کے لیے وقف کردینا چاہیئے۔ مکروہ اور ناپسندیدہ عادتوں سے نجات حاصل کرلینی چاہیئے۔ آنکھوں سے ان چیزوں کی طرف نہ دیکھنا چاہیئے جس کا دیکھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ کان سے ایسی آواز نہ سننی چاہیئے جس کا سننا ممنوع اور حرام قرار دیا گیا ہے۔ گفتگو کے دوران زبان کو کسی ایسی بات سے آلودہ نہ کرنا چاہیئے جو ناجائز ہے۔ رمضان المبارک میں صرف کھانا پینا ترک کردینا ہی روزہ نہیں ہے بلکہ تمام اعضأ بدن کو روزہ دار ہونا چاہیئے اور ان تمام چیزوں سے پرہیز اختیار کرنا چاہیئے جو ارتکاب گناہ کا ذریعہ ہیں۔

سوم:۔ اس درس میں شرکت کے ذریعہ جسم کو غیر معمولی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ کھانا نہ کھانا کسی حد تک روزہ کا بنیادی پہلو ہے تاکہ گرسنگی کے ڈر سے غیر الٰہی طاقتوں کے سامنے انسان سر تسلیم خم نہ کرسکے۔ اور ان لوگوں کے درد و غم کا اندازہ بھی ہو سکے جو اکثر فاقہ اور گرسنگی کی آگ میں جھلستے ر[ہتے] ہیں۔ کسی بات کا سننا اتنا اثر نہیں رکھتا جتنا اس بات سے عملی طور پر قربت کے بعد اثر ہوتا ہے۔ بھوک کی آگ برداشت کرنے کے بعد بھوکے لوگو[ں] کی تکلیف کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ روایات میں منقول ہے کہ زیادہ کھانا مومن کے قلب کو فساد اور برائیوں کا شکار بنا دیتا ہے۔ بسیارخوری کی دو بنیادی خرابیاں ہیں۔ قساوت قلب اور تحریک شہوت۔ لیکن ماہ رمضان کی گرسنگی روحانی غذا فراہم کرتی ہے اس سے جسم میں ایک قسم کی تازگی پیدا ہوجاتی ہے اور مومن میں ایک عجیب قسم کی طاقت پیدا ہوجاتی ہے۔

دنیا کے تمام ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ امساک یعنی بھوک اور کم خوری انسانی جسم کی سلامتی کا سبب ہے۔ پیغمبرؐ کی روایت ہے کہ "المعدہ بیت کل داء والحمیہ راس کل دواء" معدہ تمام بیماریوں کا گھر ہے اور امساک یعنی کم خوری اور بھوک تمام دواؤں میں سب سے زیادہ افضل ہے۔

پس رمضان المبارک کے مہینے میں ہمیں اپنے ہر چھوٹے بڑے اعمال پر کڑی نگاہ رکھنی چاہیئے اور اپنی کمزوریوں کا پتہ لگا کر انھیں دور کرنے کی فکر کرنی چاہیئے اور اپنی طاقت اور قوت ایمان پر بھروسہ رکھنا چاہیئے درحقیقت یہ ٹریننگ کا مہینہ ہے تاکہ انسان خودسازی اور سعادت کی منزلوں کو بہ آسانی پار کرلے۔ درحقیقت یہ خودیابی اور خودسازی کا مہینہ ہے۔

اس مبارک مہینہ کی آمد پر تمام بندگان خدا کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہوئے خداوند عالم کی بارگاہ عالیہ میں یہی دعا ہے کہ وہ ہم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ عبادت اور مخلصانہ بندگی کی توفیق عطا فرمائے۔ ●

اُسوہ

شہید عدالت حضرت علی علیہ السلام کا یومِ شہادت

اسلامی احادیث وروایات کے مطابق رمضان المبارک کی ۱۹ویں، ۲۱ویں اور ۲۳ویں تاریخ کو بڑی فضیلت حاصل ہے اور انھیں شب قدر کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ ان راتوں میں عبادت کی عظمت وبزرگی بڑھ جاتی ہے اور شبِ قدر میں کی جانے والی تمام عبادتوں کا ثواب ہزار گنا زیادہ ہو جاتا ہے رمضان المبارک کی ان تاریخوں کے درمیان ایک ایسا عظیم اسلامی حادثہ رونما ہوا جس نے ان مقدّس ترین ایّام مبارک کی عظمت وبزرگی اور شان وشوکت میں غیر معمولی اضافہ کر دیا اور مکتبِ اہلِ بیتؑ کی پیروی کرنے والوں کی نظر میں ان کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ یہ پیغمبرؐ عظیم الشان کے اوّلین یار وجاں نثار اور مذہب اسلام کے عظیم المرتبت مجاہد اور مولائے متّقیان حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی دردناک شہادت کا واقعہ ہے۔

علیؑ اس بچّے کا نام ہے جس کی ولادت خانۂ کعبہ میں ہوئی اور مولود کعبہ کا شرف حاصل ہوا۔ اور علیؑ اس مردِ مجاہد کا نام ہے جسکو خدا کے مقدّس گھر یعنی مسجدِ کوفہ میں شہادت نصیب ہوئی۔

ابھی حضرت علیؑ کی عمر آٹھ برس کی تھی کہ پیغمبرؐ اسلام نے اپنے چچا ابو طالب کی گراں قدر خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے، جو اس زمانے میں کثیر الاعیالی اور دیگر وجوہات کی بنا پر غریبی اور مفلسی کی زندگی بسر کر رہے تھے، اپنے چچازاد بھائی حضرت علیؑ کو اپنے ساتھ رکھ لیا تا کہ عمِ محترم کی ذمّہ داریوں کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے۔ اپنے چچازاد بھائیوں میں حضرت علیؑ کے انتخاب میں کیا راز ورمز پوشیدہ تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پیغمبرؐ اسلام ارشاد فرماتے ہیں۔ "میں نے فرزندانِ ابو طالبؑ میں اسکا انتخاب کیا جسے پروردگارِ عالم نے میرے لئے منتخب کیا تھا۔" اس طرح زندگی کے ابتدائی دنوں میں ہی امامِ متّقیان کی تقدیر اور ان کا ارادہ پیغمبرؐ کی ذات سے جڑ گیا۔

بعثت کی شب رونما ہونے والے حادثے سے پیغمبرؐ اسلام کے جسم پر تھرتھراہٹ طاری تھی۔ گھر پہنچتے ہی انہوں نے اپنی شریکِ حیات خدیجہ اور علیؑ کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا چنانچہ خدیجہ اور علیؑ ابن ابیطالب دونوں ایمان لائے اور مسلمان ہو گئے۔ بعض روایات میں منقول ہے کہ جب حضرت علیؑ نے پیغمبرؐ کی دعوت سنی تو کہنے لگے۔ "پہلے مجھے اپنے والد سے مشورہ کرنا چاہئیے"۔ یہ جملہ ادا کرنے کے بعد حضرت علیؑ ساری رات جاگتے رہے اور صبح ہوتے ہی اسلام قبول کر لیا۔ پیغمبرؐ نے ان سے دریافت کیا کہ اسلام قبول کرنے سے قبل اپنے والد سے مشورہ کیوں نہیں کیا؟ تربیتِ محمدیؐ کے سایہ میں پرورش پانے والے اور کمسنی میں بزرگوں جیسی عقل رکھنے والے اس نوجوان نے جواب دیا۔ "کیا پروردگار نے

مجھے پیدا کرتے وقت میرے والد ابو طالب سے مشورہ کیا تھا کہ آج میں اپنے خدا پر ایمان لانے کے لئے ان سے مشورہ کروں؟"

اسی طرح حضرت امیرؑ المومنین کی فضیلت میں پیغمبرؐ اسلام کی مشہور و معروف حدیث ہے جس میں حضرت علیؑ کی ذاتی خصوصیت کیطرف اشارہ کرتے ہوئے پیغمبرؐ ارشاد فرماتے ہیں سے "علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کیساتھ۔ جہاں علیؑ ہیں وہاں سخاوت، عدالت اور مستضعفین کی اعانت کا وجود لازمی ہے۔"

جی ہاں! حضرت علیؑ کی عدالت کا تذکرہ آگیا ہے تو بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ کی

> علیؑ حق کیساتھ ہیں اور حق علیؑ کیساتھ۔ جہاں علیؑ ہیں وہاں سخاوت، عدالت، اور مستضعفین کی اعانت کا وجود لازمی ہے

عدالت نے صدیوں سے لوگوں کو حیرانی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ لوگ ان کی عدالت کا تذکرہ سنتے ہی دانت کے نیچے انگلی دبا لیتے ہیں اور دنیا کے مشہور و معروف دانشور حضرت علیؑ کی عدالت کے موضوع پر کتابیں لکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ انکی عدالت کے سلسلے میں مشہور عیسائی دانشور اور مصنف کا یہ جملہ بہت مشہور ہے۔ وہ اپنی کتاب میں عدالت علیؑ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "یہ عبد الرحمن ابن ملجم کی ضربت نہ تھی جس نے علی علیہ السلام کو شہید کر ڈالا۔ بلکہ درحقیقت ان کی عدالت ہی شہادت کا سبب قرار پائی۔"

رسولؐ مقبول کی تربیت میں پروان چڑھنے والا علیؑ عدالت کے اصولوں پر اس قدر ثابت قدم تھا کہ ایک یہودی عورت کی بے حرمتی سن کر غیظ و غضب سے کانپ اٹھتا ہے اور اس کے چہرے سے درد و غم کے ایسے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں جیسے مسلمانوں کا قتل عام ہو گیا ہو۔

حضرت امیر المومنینؑ نے عوام کی امانت و بیت المال کی حفاظت کے سلسلے میں غیر معمولی عدالت کا

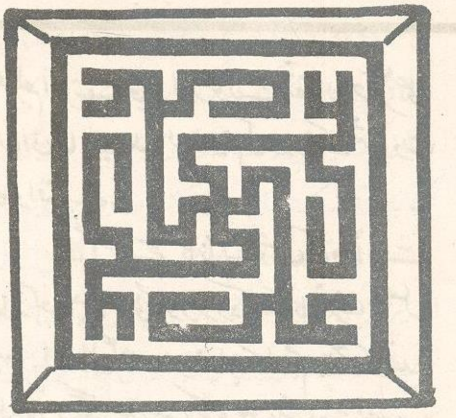

مظاہرہ کیا اور کسی قسم کی معمولی سی خیانت یا جانب داری کے ذریعہ معیاری عدالت کے اصولوں کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ بلکہ وہ اپنے اصول عدالت پر اس قدر سختی سے کاربند رہے کہ اپنے بھائی کے ناجائز مطالبے کو بری طرح ٹھکرا دیا اور بیت المال سے ان کی مطلوبہ رقم نہیں دی۔ چنانچہ ان کے بھائی نے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور ان کی روش عدالت کی وجہ سے دونوں بھائیوں کے آپسی تعلقات ختم ہو گئے لیکن علیؑ جیسے عادل کی صحت پر اُن چیزوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

حضرت امیر المومنینؑ کی دوسری خصوصیت ان کا زہد و تقویٰ تھا۔ زہد کا مطلب ہے نفسانی خواہشات سے پرہیز، دنیا کی رعنائیوں سے بے تعلقی اور دنیا کے حسین و دلکش فریب سے اپنی حفاظت کرتے ہوئے سادہ و آسان زندگی بسر کرنا اور علیؑ اس عظیم شخصیت کا نام ہے جس کے پاس مال دنیا میں سے کچھ بھی نہیں تھا وہ دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور شام کے وقت سوکھی روٹی و پانی سے روزہ افطار کرتے ہیں۔ ساری رات عبادت الٰہی اور فرائض بندگی میں بسر کرتے ہیں اور دن میں میدان کارزار میں دشمن کے خلاف شاندار جہاد میں مصروف ہو جاتے ہیں اور اپنی مثالی شجاعت سے دشمن کے جسم میں رعشہ پیدا کر دیتے ہیں۔ آپ کی زندگی کچھ ایسی تھی کہ اپنے پانچ سالہ دور خلافت کے اواخر میں انہوں نے اپنے کندھوں پر عظیم اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھال رکھا تھا لیکن ان کی ذاتی اور باشرف زندگی کے معیار میں حاکم وقت کی ظاہری ٹھاٹھ باٹ کا گزر نہیں ہو سکا۔ ان کے پاس بعض معمولی وسائل زندگی مثلاً "مٹی کا گھر" پھٹی پرانی بوریوں کا فرش، مٹی کے کچھ برتن اور اس پھٹے ہوئے جوتے کے علاوہ کچھ نہ تھا جسے انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے تیار کیا تھا۔ اسی طرح چند سیاہ درہم کے علاوہ مالِ دنیا میں سے ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ ان کی روش حکومت ان حکام سے بالکل مختلف تھی جو بر سر اقتدار آتے ہی دنیاوی مال و متاع کی ذخیرہ اندوزی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

عیسائی مصنف سلیمان کتابی نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ حضرت علیؑ کی فضیلتوں کی تحقیق کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اور عرصۂ دراز کی مسلسل تحقیق کے بعد اس نے علیؑ کی انفرادیت شخصیت کا تعارف پیش کرنے کے لئے "امام علیؑ" نامی کتاب لکھی۔ یہ کتاب اس کی برسوں کی تحقیق کا نتیجہ تھی۔ جس میں حضرت علیؑ کی

مدح سرائی کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے "علیؑ اس عدیم المثال بہادر کا نام ہے جس نے پیغمبرؐ اسلام کے شانہ بہ شانہ دشمنوں کے خلاف جنگیں کیں اور ایسے برگزیدہ اور معجزہ آمیز اعمال انجام دیئے کہ تاریخ میں انکی عظمت و بزرگی اور شان و شوکت کا تذکرہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ جنگ بدر کے موقع پر وہ ۲۰ سالہ نوجوان تھے لیکن اپنی شمشیر کی ایک ضربت سے انہوں نے قریش کے نامی گرامی پہلوان کے جسم کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا اور جنگ خیبر کے موقع پر قلعہ یہود کے بھاری بھرکم آہنی دروازہ کو انہوں نے ایک ہی جھٹکے میں اکھاڑ پھینکا۔"

یہ عبد الرحمٰن ابن ملجم لعن کی ضربت نہ تھی جس نے علی علیہ السلام کو شہید کر ڈالا بلکہ درحقیقت ان کی عدالت ہی شہادت کا سبب قرار پائی۔

ان کی عقل و سمجھ، دانائی و دانشمندی اور فکری پیش رفت کا یہ عالم تھا کہ روح اسلام کی معرفت حاصل کرتے ہی انہوں نے دس یا آٹھ سال کی کمسنی میں سب سے پہلے اسلام قبول کر لیا۔

ان کے اخلاص اور شجاعانہ کارناموں کیلئے صرف اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنا کافی ہے۔ جب ہجرت کی رات کفّار قریش ننگی تلواریں لئے پیغمبرؐ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو وہ تنہا شخص تھے جو موت کے خطرے کو گلے لگائے ہوئے تلواروں کی چھاؤں میں پیغمبرؐ کے بستر پر سو گئے۔ انہوں نے یہ قبول کر لیا کہ پیغمبرؐ کی جگہ دشمن انھیں قتل کر ڈالے اور خدا کے رسولؐ پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ اپنی جان کی بازی لگا کر پیغمبرؐ کی حفاظت کرنا صرف علیؑ کا کام تھا۔

ان کی مروّت، ہمدردی اور جوانمردی کے سلسلے میں صرف اس حقیقت کی یاد آوری کافی ہے کہ اپنی گراں مایہ زندگی کے آخری لمحات میں ابن ملجم جیسے بے رحم کی زہر آلود تلوار سے زخمی ہونے کے بعد نہ صرف یہ کہ انھیں اپنے قاتل پر غصہ نہیں آیا بلکہ انہوں نے اپنا کھانا قاتل کو دیدیا اور اپنے لڑکوں سے یہ خواہش کی کہ اسکے ساتھ زیادہ سختی نہ کریں۔

جی ہاں! ۱۹ رمضان المبارک کی صبح کو سر مبارک پر گہرا زخم کھانے کے بعد اپنے فرزندان کو یہ نصیحت کرتے ہوئے ۲۱ رمضان کو اپنے محبوب حقیقی کی طرف روانہ ہو گئے۔

'خدارا' خدارا۔ قرآن کے بارے میں کہیں ایسا نہ ہو کہ اغیار تو اس مقدّس کتاب کی پیروی کرنے لگیں اور تم لوگ اس کی تعلیمات سے غافل ہو جاؤ......"

حضرت علیؑ اکثر اپنے پروردگار سے شہادت جیسے عظیم شرف کا مطالبہ کیا کرتے تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ میدان جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے انھیں شہادت کا شرف حاصل ہو جائے انھیں بستر پر لیٹ کر موت سے ہم آغوش ہونا ہرگز پسند نہ تھا۔ اسی وجہ سے محراب عبادت میں زہر آلود تلوار سے زخمی ہونے کے بعد انکی زبان سے بے ساختہ یہ کلمات نکل پڑے۔ "فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَۃ" ۔ کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ ••

یوم ولادت امام حسن علیہ السلام

۱۵ رمضان المبارک ۳ سنہ ھ کو آسمانِ ولایت و امامت کے دوسرے اختر تابناک امام حسن علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور ۴۰ھ میں مولائے متقیان حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شہادت کے بعد ۳۷ سال کی عمر میں انہوں نے امّتِ اسلامیہ کی امامت و ہدایت کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر سنبھال لی۔ اس طرح انہوں نے عبادت و بندگی اور طہارت و پاکیزگی نفس کے مہینے میں دنیا کو اپنے وجود کے نور سے منوّر بنا دیا۔

پیغمبر عظیم الشان حضرت محمدؐ نے جب اس مولود مسعود کی ولادت کی خبر سنی تو اپنی پارۂ جگر حضرت فاطمہ(س) کے گھر تشریف لائے اور تبریک و مبارکباد کے بعد ارشاد فرمایا۔

"پروردگار عالم! میں اس بچے کو اور اسکی اولاد کو تیری سپردگی میں دیتا ہوں اور تیری بارگاہ عالیہ میں درخواست کرتا ہوں کہ انھیں شیطان کے شر سے محفوظ رکھنا۔" اس کے بعد پیغمبرؐ نے انکے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔

حضرت امام حسنؑ مذہب اسلام کی عظیم المرتبت خاتون فاطمہ زہرا(س) اور امام متقیان علیؑ بن ابیطالب کے پہلے بیٹے تھے۔ پیغمبرؐ اس مولودِ مبارک کی ولادت سے بہت خوش ہوئے اور اس بچے کا نام حسنؑ رکھا۔ جس کے لغوی معنی ہیں، نیک، خوبصورت اور صاحبِ افتخار۔

امام حسنؑ چھوٹی سی عمر میں ہی اپنے نانا کے ساتھ مسجد جانے لگے اور وہاں کے جملہ پروگراموں میں

شریک رہنے لگے۔ وہ پیغمبرؐ پر نازل ہونے والی آیاتِ قرآنی کو ان کی زبان سے سنتے اور انھیں حفظ کر لیا کرتے تھے۔ بچپن ہی میں انکے چہرے پر روحانی عظمت اور بزرگی کے آثار نمایاں تھے مثال کے طور پر انھیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے گہرا لگاؤ تھا۔ وہ اس ضمن میں اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ کسی مرد مومن کی دل آزاری کئے بغیر اس اہم الٰہی فریضے کی ادائیگی ہو جائے۔

چنانچہ ایک روز امام حسنؑ اپنے چھوٹے بھائی حسینؑ کے ہمراہ مسجد میں داخل ہوئے۔ ان لوگوں نے دیکھا کہ ایک شخص وضو میں مصروف ہے، مگر اس کے وضو کرنے کا طریقہ درست نہیں ہے ان لوگوں نے اسے وضو کرنے کا صحیح طریقہ بتانا چاہا۔ لیکن انھیں یہ خیال تھا کہ اس شخص کو اس انداز میں مخاطب کیا جائے کہ اسے بُرا بھی نہ لگے اور کام بھی ہو جائے۔ چنانچہ یہ دونوں بھائی آگے بڑھے اور اس پیر مرد سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "ہم دونوں حقیقی بھائی ہیں۔ ہم لوگ آپ کے سامنے وضو کرتے ہیں آپ فیصلہ کر کے بتائیے کہ ہم دونوں میں سے کس کا وضو زیادہ صحیح ہے"۔ اس کے بعد ان دونوں نے اس شخص کے سامنے وضو کیا۔ وضو تمام ہوتے ہی وہ بوڑھا آدمی اس بات کی طرف متوجہ ہو گیا کہ یہ لوگ کیا کہنا چاہتے ہیں لہٰذا اس نے کہا "آپ دونوں بھائیوں کا وضو صحیح ہے، دراصل میرے وضو کرنے کا طریقہ درست نہیں تھا۔ اب آئندہ میں صحیح وضو کیا کروں گا"۔

ابھی ان کی کمسنی کا دور تھا مگر وہ نہایت خوش انداز میں لوگوں سے خطاب کرنے لگے تھے۔ چنانچہ انھیں خاندان نبوی میں فصاحت و بلاغت کا درخشاں آفتاب کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ ان کے فن خطابت کا عالم یہ تھا کہ دشمن بھی ان کی اس صلاحیت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔

حلم اور بردباری امام حسنؑ کی دوسری نمایاں صفت و کرامت تھی اور ناخوشگوار حوادث کے موقع پر غیر معمولی ضبط و صبر کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ تاریخ کا بیان ہے کہ بعض افراد اکثر و بیشتر ان کی شان میں گستاخانہ کلمات کہہ دیا کرتے تھے۔ لیکن وہ معمولی سی ناراضگی ظاہر کئے بغیر ان لوگوں کے ساتھ غیر معمولی شفقت و محبت اور خوش اخلاقی سے کام لیتے تھے ایسے لوگوں کو اپنے گھر مہمان بھی رکھا کرتے تھے اور انکی شاندار خاطر بھی کیا کرتے تھے۔

ادارہ
ماہنامہ راہ اسلام
نواسۂ رسول مقبولؐ و
جگر گوشۂ حضرت بتولؑ
امام حسنؑ
کی ولادت کے موقع پر
تمام مسلمانوں کی خدمت
میں **مبارکباد**
پیش کرتا ہے

ان کا وجود مبارک تمام انسانی عظمتوں کا سرچشمہ نظر آتا تھا۔ وہ سب لوگوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ان کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنی ساری ملکیت تین مرتبہ صاحب احتیاج اور کمزور و پسماندہ لوگوں میں تقسیم کر دی تھی اور متعدد بار انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا۔ اپنی زندگی کے دوران انہوں نے ۲۵ مرتبہ خانۂ کعبہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور سواری موجود ہوتے ہوئے بھی انہوں نے پیدل اور ننگے پیر خانۂ کعبہ کا سفر کیا تھا تاکہ بارگاہ خداوندی میں ان کا یہ عمل قبولیت حاصل کرے اور اس کے عوض میں پروردگار کی طرف سے ملنے والے اجر میں کچھ اضافہ ہو جائے۔ زہد و تقویٰ و پرہیزگاری کے سلسلے میں لوگوں کی زبان پر ہر وقت ان کا چرچا رہا کرتا تھا اور انکی سخاوت کی کوئی مثال نظر نہیں آتی تھی۔ فقراء و مساکین کی ہم نشینی اور ان کے ساتھ انتہائی محبت و خوش اخلاقی کا مظاہرہ ان کے فضائل اور اخلاقی صفات کا بنیادی پہلو تھا چنانچہ اکثر روایات میں ملتا ہے کہ فقراء و مساکین کیساتھ کھانا کھانا انھیں بہت پسند تھا جب کبھی وہ فقیروں کو کھانا کھاتے دیکھتے تھے تو سواری سے اُتر کر ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتے تھے۔

یہ تمام اخلاقی صفات انھیں اپنے جد بزرگوار پیغمبرؐ اسلام سے میراث میں حاصل ہوئے تھے۔ چھٹے امام حضرت جعفر علیہ السلام سے مروی ہے کہ "امام حسنؑ اپنے دور کے سب سے بڑے عبادت گزار شخص تھے۔ ان کے تقویٰ اور پاکیزگی نفس کا یہ عالم تھا کہ وہ اکثر موت اور قیامت کی یاد میں بڑی دیر تک گریہ کیا کرتے تھے"۔

امام حسنؑ اپنے عقائد اور سماجی نظریات کو بیان کرنے میں ذرہ برابر ہچکچاہٹ نہیں محسوس کرتے تھے۔ وہ اسلامی مقاصد کی تبلیغ و اشاعت میں کسی کا خوف محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ اس راہ میں اکثر غیر معمولی شجاعت اور جانثاری سے کام لیتے تھے اور آخر کار اسی مقدس راہ میں شہادت سے ہم آغوش ہو گئے۔ اپنے والد حضرت علیؑ بن ابی طالب کی طرح خدا کی راہ میں شہادت حاصل کرنا ان کی دلی خواہش تھی چنانچہ بڑے ذوق و شوق سے انہوں نے شہادت کا استقبال کیا۔ ●

اسلام میں خواتین کے حقوق

مساوات، یکسانیت نہیں

جیساکہ ہم نے کہا ہے اسلام مردوزن کے عائلی حقوق اور روابط کے سلسلے میں ایک ایسے مخصوص فلسفہ کا حامل ہے جو نہ صرف گذشتہ چودہ سو سال کے تمام نظریات سے متغائر ہے بلکہ عصر حاضر کے مروجہ تصورات سے بھی مطابقت نہیں رکھتا۔

ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے یہ مسئلہ ہرگز بحث طلب نہیں کہ مرد و عورت بحیثیت انسان مساوی ہیں یا نہیں نیز یہ کہ ان کے عائلی حقوق وقعت و اہمیت کے لحاظ سے مساوی ہونے چاہئیں یا نہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے عورت اور مرد دونوں انسان ہیں اور انسانی حقوق سے بہرہ اندوز ہونے میں برابر کے حقدار ہیں۔

اسلامی نقطۂ نظر سے جو چیز بالکل صاف اور واضح ہے وہ یہ ہے کہ عورت اور مرد اپنی اپنی جگہ مکمل انسان ہونے کے باوجود بیشتر چیزوں میں ایک دوسرے کے ساتھ کامل مشابہت و مماثلت نہیں رکھتے۔ ان دونوں کے لیے دنیا بالکل ایک جیسی نہیں ہے اور خلقی و طبعی اعتبار سے بھی دونوں یکساں نہیں ہیں۔ اسی عدم یکسانیت کے باعث ان کے حقوق و فرائض اور سزا و جزا کے پیمانے بھی مختلف ہونے چاہئیں۔ آج مغرب میں عورتوں اور مردوں سے متعلق احکام و قوانین اور حقوق و فرائض میں یکتوعی اور یکسانیت پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور ان کے جبلّی و طبعی فرق کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اسلام اور مغربی طرز فکر میں بنیادی اختلاف یہی ہے۔ ہمارے ملک میں اسلام پسندوں اور مغرب گزیدوں میں وجہ اختلاف مرد و زن کے حقوق میں وحدت و یکسانیت ہے نہ کہ برابری و مساوات۔ حقیقت یہ ہے کہ مغرب کے مقلّد "مساواتِ حقوق" کے خوشنما الفاظ ایک پُرفریب لیبل کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔

راقم الحروف نے اپنی تحریروں، کانفرنسوں اور خطبوں میں اس پُرفریب لیبل کو استعمال کرنے اور اس مفروضہ کو جو عورتوں اور مردوں کے حقوق میں یکسانیت و مماثلت کے ادّعا کے علاوہ اور کچھ نہیں مساواتِ حقوق کے نام سے یاد کرنے سے اجتناب کیا ہے۔

میرے کہنے کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ دنیا میں کسی بھی جگہ حقوق میں مساوات کا دعویٰ معنویت نہیں رکھتا تھا یا آج بھی نہیں رکھتا ہے اور یہ کہ ماضی و حال کے تمام قوانین مرد و زن کے حقوق میں مساوی وقعت و اہمیت کی بنیاد پر وضع کئے گئے ہیں اور ان میں صرف یکسانیت کا فقدان ہے۔ نہیں میں ایسا کوئی دعویٰ نہیں کرتا۔ بیسویں صدی سے قبل کے یورپ میں عورت قانوناً اور عملاً انسانی حقوق سے محروم تھی۔ اس کے اور مردوں کے حقوق میں نہ تو مساوات تھی اور نہ یکسانیت۔ گذشتہ ایک صدی سے بھی کم کے عرصہ میں عورت کے نام سے اور عورت کے لیے جو عاجلانہ تحریک وجود میں آئی اس کے زیر اثر مرد و زن کے حقوق میں کم و بیش یکسانیت پیدا ہو گئی۔ لیکن عورت اپنی طبعی

وضع قطع اور روحانی وجسمانی احتیاجات کے باعث مرد کے مساوی حقوق حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے لہٰذا اگر عورت یہ چاہتی ہے کہ اس کے حقوق مرد کے حقوق کے مساوی ہوں اور وہ بھی اسی سعادت و مسرت سے ہمکنار ہو سکے جو مرد کو حاصل ہے تو اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ مردوں کے ساتھ اپنے حقوق میں یکسانیت کے دعوٰی سے دستبردار ہو جائے اور اس امر کی قائل ہو جائے کہ مردوں کے لیے موزوں حقوق مردوں کو اور عورتوں کے لیے موزوں حقوق عورتوں

یہ بات پیش نظر رہنی چاہیئے کہ ہمارا دعوٰی یہ ہے اور یہی شرطِ انصاف بھی ہے کہ مرد وزن کے فطری و انسانی حقوق میں سے صرف کچھ حقوق میں عدم یکسانیت ہونی چاہیئے ۔ لہٰذا ہماری بحث صدفی صد فلسفیانہ ہے اس کا تعلق فلسفہ حقوق میں سے ہے ۔

کو ملنے چاہییں ۔ صرف اسی صورت میں عورتوں اور مردوں کے درمیان حقیقی اخلاص و اتحاد قائم ہو سکتا ہے نیز عورت مرد کے برابر ہی نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ فلاح وسعادت سے بہرہ مند ہو سکتی ہے ۔ بہ ایں صورت مرد بغیر کسی مکر و فریب کے از راہِ اخلاص و مروّت عورتوں کو نہ صرف مساوی بلکہ اپنے سے بھی زیادہ حقوق دینے پر آمادہ ہو جائیں گے ۔

اسی طرح میرا یہ دعوٰی بھی نہیں ہے کہ اسلامی معاشروں میں بظاہر جو حقوق عملاً عورتوں کو دیے گئے ہیں وہ قدر و اہمیت کے لحاظ سے مردوں کے برابر ہیں ۔ میں نے بارہا اس امر کی ضرورت کا اظہار کیا ہے کہ عورتیں جس صورت حال سے دوچار ہیں ان کی مکمل تحقیق کی جانی چاہیئے اور اسلام نے انہیں جو فراخدلانہ حقوق عطا کیے ہیں اور جو امتداد زمانہ سے عملاً متروک ہو گئے ہیں انہیں بحال کیا جانا چاہیئے نہ یہ کہ مغربی طرز زندگی کی اندھی تقلید کیجائے جو ان کے لیے بے شمار مصائب اور پریشانیاں لے کر آیا ہے اور نہ یہ کہ ایک غلط مفروضہ کو خوشنما نام دے کر مشرق کی عورت کو ان مصائب و مشکلات سے دوچار کر دیا جائے جو مغرب کی عورت کا مقدر بن چکی ہے ۔ ہمارا مدعا یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کے حقوق میں اسی حد تک عدم یکسانیت ہونی چاہیئے جس حد تک وہ طبعاً ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۔ یہی انصاف کا تقاضہ بھی ہے اور یہی چیز ان کے فطری حقوق سے مطابقت بھی رکھتی ہے ۔ اس میں خانگی زندگی کی مسرت و خوشحالی اور معاشرہ کی بہتری و ترقی مضمر ہے ۔

یہ بات پیش نظر رہنی چاہیئے کہ ہمارا دعوٰی یہ ہے اور یہی شرطِ انصاف بھی ہے کہ مرد وزن کے فطری و انسانی حقوق میں سے صرف کچھ حقوق میں عدم یکسانیت ہونی چاہیئے ۔ لہٰذا ہماری بحث صدفی صد فلسفیانہ ہے ۔ اس کا تعلق فلسفہ حقوق میں سے ہے اور 'اصول عدل' سے مربوط ہے جو اسلامی فقہ و کلام کے ارکان میں سے ایک ہے ۔ 'اصول عدل' وہی ہے جس کی بنیاد پر اسلام میں عقلیت اور شریعت میں مطابقت کا قانون وجود میں آتا ہے ۔ یعنی اگر فقہ اسلامی کم از کم فقہ شیعہ ۔ کی رو سے یہ ثابت ہو جائے کہ بر بنائے انصاف فلاں قانون ایسا نہیں ویسا ہونا چاہیئے اور بصورت موجودہ وہ ظالمانہ اور خلاف انصاف ہے تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ حکم شریعت بھی یہی ہے ۔ کیونکہ شریعت اسلامی میں جن اساسی اصولوں کی تعلیم دی گئی ہے وہ کبھی بھی انصاف اور فطری و طبعی حقوق کے محور سے ہٹ نہیں سکتے ۔

علمائے اسلام نے 'اصول عدل' کی تشریح و توضیح پر فلسفہ حقوق کی بنیاد رکھی ۔ حالانکہ جو راہ انھوں نے کھولی تھی وہ اس پر بعض نامساعد تاریخی حالات کے باعث گامزن نہ رہ سکے ۔ مسلمانوں نے سب سے پہلے انسانی حقوق پر توجہ دی اور مروجہ قوانین سے صرف نظر کر کے جبلّی و تکوینی امور کو 'اصول عدل' پر قائم کیا اور اسی بنیاد پر عقل و طبعی حقوق کی عمارت تعمیر کی ۔

عورتیں جس صورت حال سے دوچار ہیں ان کی مکمل تحقیق کی جانی چاہیئے اور اسلام نے انہیں جو فراخدلانہ حقوق عطا کیے ہیں اور جو امتداد زمانہ سے عملاً متروک ہو گئے ہیں انہیں بحال کیا جانا چاہیئے

لیکن تقدیر کی ستم ظریفی سے وہ اپنا کام جاری نہیں رکھ سکے اور تقریباً بیس صدی کے بعد یورپ کے دانشوروں اور مفکروں نے ان نظریات کی پیروی کی اور کامیابی کا سہرا اپنے سر باندھ لیا ۔ ایک طرف تو انھوں نے سماجی، سیاسی اور اقتصادی فلسفوں کو جنم دیا اور دوسری طرف عوام، معاشروں اور قوموں کو زندگی کی قدر و قیمت اور انسانی حقوق سے آشنا کیا اور مختلف تحریکات اور انقلابات کے ذریعہ دنیا کا نقشہ ہی بدل ڈالا ۔

میرے نقطۂ نظر سے تاریخی اسباب و علل کے

علاوہ کچھ نفسیاتی اور علاقائی عوامل بھی اس مسئلہ میں کارفرما رہے ہیں۔ شرقِ اسلامی جس نے حقوق کی بنیاد عقلیت پر رکھی تھی اُن کی ترویج و اشاعت میں مصروفِ عمل نہ رہ سکا۔ مشرق اور مغرب کے مزاج میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ مشرق اخلاقیات کا دلدادہ ہے اور مغرب حقوق کا۔ اہلِ مشرق کی فطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے ساتھ محبت رواداری اور فراخدلی کا سلوک کریں البتہ اہل مغرب کے نزدیک انسانیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے حقوق سے بخوبی آگاہ ہوں، ان کا تحفظ کریں اور کسی دوسرے شخص کو اپنے دائرہ حقوق میں قدم نہ رکھنے دیں۔

بشریت کا تعلق اخلاقیات سے بھی ہے اور حقوق سے بھی۔ انسانیت اخلاقیات سے بھی وابستہ ہے اور حقوق سے بھی۔ حقوق اور اخلاقیات میں سے کوئی ایک چیز تنہا معیارِ انسانیت نہیں ہے۔

دینِ مقدس اسلام کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اس نے حقوق اور اخلاقیات کو باہم کر مورد توجہ قرار دیا ہے۔ اسلام میں جہاں رواداری، اخلاص اور نیکوکاری بحیثیت اخلاقی امور "مقدس" شمار کئے جاتے ہیں وہاں اپنے حقوق سے آگاہی اور انکا دفاع بھی مقدس اور انسانی فطرت کے عین مطابق سمجھا جاتا ہے۔ یہ موضوع تفصیل طلب ہے اور اس کی وضاحت کا یہاں موقع نہیں ہے۔

لیکن اس سلسلے میں مشرقی مزاج بروئے کار آیا۔ ابتدا میں اس نے اسلام سے حقوق اور اخلاقیات دونوں میں کسب فیض کیا لیکن رفتہ رفتہ حقوق سے دست کش ہوگیا اور اس کی تمام تر توجہ اخیاقیات تک محدود ہوکر رہ گئی۔

غرض یہ کہ آج ہم جس مسئلہ سے دوچار ہیں وہ حقوق کا مسئلہ بھی ہے، اس کا تعلق فلسفہ و تعقل سے بھی ہے اور اس کی نوعیت استدلالی و منطقی بھی ہے۔ مزید برآں یہ مسئلہ حقیقت عدل اور ماہیت حقوق سے بھی مربوط ہے۔ دنیا کے کسی بھی قانون کے وضع ہونے سے قبل انصاف اور حقوق وجود رکھتے تھے۔ قانون سازی کے ذریعہ انصاف اور انسانی حقوق کی ماہیت کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

مونتسکیو اس امکان کی نشاندہی کرتا ہے کہ انسان کے قوانین وضع کرنے سے قبل موجودات کے درمیان قوانین پر مبنی عادلانہ روابط پائے جاتے تھے اور انہی روابط کی موجودگی قانون سازی کا موجب ہوئی۔ اب اگر ہم یہ کہیں کہ ان اوّلین اساسی قوانین کے علاوہ جنکی اکثریت اور امر ونواہی پر مشتمل تھی کسی دوسرے قسم کے عادلانہ یا ظالمانہ قوانین وجود نہیں رکھتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم دائرہ کھینچنے سے قبل اس کے نصف قطر کو غیر مساوی قرار دے رہے ہیں"۔

دینِ مقدس اسلام کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اس نے حقوق اور اخلاقیات کو باہم کر موردِ توجہ قرار دیا ہے اسلام میں جہاں رواداری، اخلاص اور نیکوکاری بحیثیت اخلاقی امور مُقدس شمار کئے جاتے ہیں وہاں اپنے حقوق سے آگاہی اور ان کا دفاع بھی مُقدس اور انسانی فطرت کے عین مطابق سمجھا جاتا ہے

ہربرٹ اسپینسر کہتا ہے "انصاف کا تعلق جذبات سے جداگانہ کسی چیز سے ہے اور وہ چیز انسان کے طبعی حقوق سے عبارت ہے چونکہ انصاف ایک خارجی وجود کا حامل ہے لہٰذا ضروری ہے کہ حقوق اور طبیعی اختلافات کا لحاظ اور احترام کیا جائے"۔

اس عقیدہ کے حامل حکمائے یورپ ماضی میں بھی بکثرت پائے جاتے تھے اور آج بھی موجود ہیں انسانی حقوق سے متعلق جو منشور اور اعلامیے تیار کئے گئے اور انسانی حقوق کے اعتبار سے جو متن ترتیب دیا گیا اس کا سرچشمہ طبعی حقوق یہی نظریہ ہے۔ یعنی طبعی و فطری حقوق کے نظریہ کو ہی انسانی حقوق کے منشور کی شکل دی گئی۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ منتسکیو اور اسپینسر وغیرہ نے انصاف کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ من وعن وہی ہے جو متکلمین اسلام عقلیت کے حسن و قبح اور اصول عدل کے متعلق کہہ چکے ہیں۔ علمائے اسلام میں ایسے افراد موجود تھے جو حقوق کی جبلّی نوعیت کے منکر تھے اور انصاف کو رواجی حیثیت دیتے تھے۔

اہل یورپ کا بھی یہی عقیدہ رہا ہے انگریز مفکر ہوبس انصاف کو امر واقعی نہیں سمجھتا۔

مشین اپنے نظام کی قید میں

از: ڈاکٹر علی شریعتی

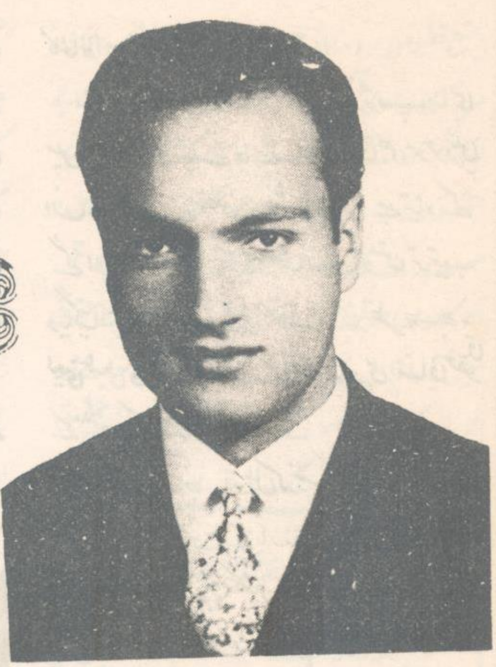

دوسری قسط

مشین کی کوئی خصوصیت بیان کیجئے ۔ یہ اصالت (ORIGINALITY) کو منفی کرتی ہے ۔ اصالت فی الواقع کیا چیز ہے ؟ یہ جاننے کے لیے ضروری ہے کہ ابن بطوطہ سیاح کے سفرنامے کو ملحوظ خاطر رکھیئے ۔ جب وہ شمالی افریقہ گیا تو اس نے دیکھا کہ وہاں کی عورتیں خاص قسم کا لباس پہنتی ہیں ۔ مخصوص انداز میں سنگھار کرتی ہیں ان کے رہن سہن کا خاص طریقہ ہے ۔ وہاں کے مرد بھی اپنے مخصوص انداز میں زندگی بسر کرتے ہیں ۔ ان کے شہروں کی ساخت اور ان کا فن تعمیر بھی جداگانہ طرز کا ہے ۔ ان کے ادب اور شہروں کی تعمیر کا انداز بھی مخصوص نوعیت کا ہے ۔ اس کے بعد وہ چاڈ پہنچتا ہے ۔ جہاں کی ہر چیز اسے مختلف نظر آتی ہے یہاں سے وہ بغداد آتا ہے اس جگہ کی بھی ہر چیز اسے بدلی ہوئی دکھائی دیتی ہے ۔ یہاں سے وہ شہر مکّہ کی جانب روانہ ہوتا ہے ۔ یہاں بھی ہر چیز کا انداز مختلف ہے ۔ جب وہ نیشاپور پہنچتا ہے تو اسے یہاں کی بھی ہر چیز بدلی ہوئی لگتی ہے ۔ اور جب وہ شہر طوس میں وارد ہوا تو اسے لگا کہ یہاں کی ہر چیز میں عمومیت پائی جاتی ہے ۔ نیز یہ بات ہمارے ذہنوں میں ابھی تک محفوظ ہے کہ ہر تحفہ کسی خاص جگہ سے منسوب و مخصوص ہوتا ہے ۔ چنانچہ ایران کے ہر شہر میں کوئی نہ کوئی ایسی خاص چیز تیار کی جاتی ہے جو قسم و جنس کے اعتبار سے دوسری جگہ نہیں پائی جاتی ۔ چنانچہ یہاں کی ہر ریاست کو کسی خاص میدان میں وہ مخصوص امتیاز حاصل ہے کہ دوسرے ممالک اس میدان میں ابھی تک اس مقام تک نہیں پہنچ سکے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشینی نظام کے دور سے قبل یہاں کے لوگ آزادانہ طور پر تجربات ، غور و فکر اور چیزوں کا انتخاب کر سکتے تھے ۔ ان کے ذوق و مزاج نیز غیر معمولی ذہانت کی متنوع سطح پر نشوونما ہوتی رہتی تھی ۔ اور اسی کا نام اصالت ہے ۔ مثال کے طور پر کرمان کے قالین کو ہی لے لیجئے ۔ کرمانی قالین میں اس کی اصالت برقرار ہے ۔ اصفہان کی نقاشی (MINIATURE WORK) اور کاشی کاری (TILE WORK) میں اصالت پائی جاتی ہے ۔ اس کے بعد ہی شعر و ادب ، فلسفہ ، دینی افکار و خیالات ، مذہبی عبادات و رسومات ، جمالیات ، علوم و فنون لباس کی وضع قطع وغیرہ مختلف سمتوں میں مختلف طریقوں سے نمایاں ہو کر نشوونما پاتے تھے ۔

لیکن اس کے برعکس مشینی نظام کا انحصار ایسی کارگاہ پر ہے کہ جب وہ ضروریات سے زیادہ مال تیار کرنے پر آتی ہے تو اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے اس کام سے باز رہے ۔ مشین کو کام کرنے سے ہرگز نہیں روکا جا سکتا ۔ وہ جو بھی مال تیار کرتی ہے اس میں اس کثرت سے اضافہ ہوتا رہتا ہے کہ وہ بہرصورت ملک کی منڈیوں کے مصرف سے کہیں زیادہ تجاوز کر جاتا ہے ۔ اور اس طرح تمام ہی انسان اس بات کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں کہ وہ ایک ہی قسم کے مال کا استعمال کریں ۔ یا بالفاظ دیگر تمام انسانوں کو ذوق کے اعتبار سے ایک ہی قالب میں ڈھال دیا جاتا ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ جب میں مشہد کے کسی مدرسے، روشن فکر افراد کے ادارے یا دانشکدے میں وارد ہوتا ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ یہ بھی تہران کے مدارس اور اداروں کی ہی طرح ہیں۔ تہران بالکل اصفہان جیسا ہے۔ اصفہان بالکل (حیدر آباد) دکن کی مانند، حیدر آباد دکن کلکتہ (بنگال) جیسا کلکتہ استنبول کی طرح کا، استنبول پیرس کی مانند، اور پیرس ہارڈ ورد کی طرز کا، یہاں کے لوگوں کے لباس ایک ہی جیسے ہیں شہروں کی ساخت بھی ایک ہی طرح کی ہے، کام کرنے کے ڈھنگ، طرز زندگی اور گھروں کی آرائش زیبائش بھی ایک ہی قسم کی ہے۔ اور یہ سب کچھ دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ یہاں کے لوگوں میں سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کا فقدان ہے اب کوئی بھی اصفہانی، مشہدی، کرمانی تہرانی، ہندوستانی، ترک، عرب، چینی اور جاپانی اپنے فطری ذوق و ہنر کو بروئے کار نہیں لاتا۔ ان میں سے ہر شخص اپنی جگہ ساکت و جامد ہے اور اس نے ان قالبوں کو قبول کر لیا ہے جو مشینی نظام نے اس کے استعمال کے لیے فراہم کئے ہیں۔

انسانیت اصولِ ارتقا نیز اپنی گہری اور مختلف الابعاد میں پھیلی ہوئی متنوع تخلیقی و تعمیری صلاحیتوں کو ایک دم نیست و نابود کئے دے رہی ہے۔ وہ اپنے تنوع کو تباہ و برباد کر کے خود کو ان صاف ستھرے سانچوں میں ڈھال لینا چاہتی ہے جنہیں ہم آج ریاضی کی ۶×۴ کی شکلوں پر مشتمل ہر طرف دیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ بقول مارکوس آج کے دور کا انسان ایک ہی رخ کا ہو کر رہ گیا ہے۔

انسانی وجود:۔ انسان دراصل دو نصف کا مجموعہ ہے۔ اس کا نصف اوزاروں پر مشتمل ہے اور نصف انسانیت پر۔ اس کے، ہاتھ پاؤں، دانت اس کی آنکھیں، زبان اور انگلیاں اس کا نصف وجود ہیں۔ اور ان سے وہ اوزاروں کا کام لیتا ہے۔ لیکن اس مجموعے کا نام انسان نہیں۔ چنانچہ جب میں قلم کو اپنے ہاتھ کی گرفت میں لیتا ہوں تو میرے نصف وجود کا ایک حصہ یعنی میری انگلیاں اپنے فرض کو پورا کرتی ہیں۔ اسی طرح عینک جسے میں استعمال کرتا ہوں اس کی حیثیت بھی میرے لیے نصف اوزار کی ہے یعنی میری آنکھوں کا تتمہ بن جاتی ہے چنانچہ بیلچے کے ذریعے میں اپنے ہاتھ کو کام میں مشغول رکھ سکتا ہوں اور اسی طرح جوتے کے ذریعے میں اپنے پیر سے اپنے کام کو جاری رکھ سکتا ہوں

لیکن مشین نہ صرف انسان سے بے نیاز ہو جاتی ہے بلکہ وہ اس کے نصف انسانی وجود پر بھی نفرت اور اس میں دخل اندازی شروع کر دیتی ہے۔ مثال کے طور پر عکاسی (PHOTOGRAPHY) اور نقاشی (PAINTING) کو ہی لے لیجیے۔ نقاشی مو قلم اور رنگ و روغن سے علیحدہ ایک شے ہے۔ مو قلم اور رنگ وغیرہ اس نصف انسان کا بقیہ ہیں جو اوزاروں پر مشتمل ہے۔ پہلے انسان اپنی انگلیوں سے نقاشی کرتا تھا لیکن اب مو قلم، کے ذریعے وہ بہتر طور پر اسی کو انجام دے سکتا ہے۔ گویا اس طریقے سے اس کی انگلیوں نے ترقی کی ہے۔ لیکن فن نقاشی بذات خود نصف انسان کی انسانیت کا مظہر ہے لیکن جب نقاشی کی جگہ عکاسی لے لیتی ہے تو وہ نصف انسان کے اوزاری وجود کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ بلکہ نصف انسانیت پر مشتمل انسان کا بقیہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح جب میں پنسل سے اپنا حساب لکھتا ہوں تو اس کے ذریعے میری انگلیوں کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن حساب گر مشین (CALCULATOR) یا ایسی ہی دوسری بڑی بڑی مشینیں جب عالم وجود میں آجاتی ہیں تو . . . . وہ انسانیت پر مشتمل انسان کا بقیہ بن جاتی ہے۔ اب میرے سوچنے کا عمل موقوف ہوا اور اس کام کو مشین نے انجام دینا شروع کر دیا۔ مشین کا یہ تفرقہ انسانی وجود پر اس حد تک ہو جاتا ہے کہ انسان کیلئے یہ خطرہ پیدا ہونے لگتا ہے کہ کہیں وہ مفلوج ہو کر نہ رہ جائے۔ اس کے علاوہ ندامت و جدّت پسندی کا جذبہ بالکل مفقود ہو کر رہ جاتا ہے۔ بطور مثال مشینِ تحریر (TYPE WRITER) کو ہی لے لیجئے۔ وہ ایک خاص طرز کا خط ہے جو ایران کی تین کروڑ نفوس کی آبادی پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ درحالیکہ مشین تحریر سے قبل ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق خط کی اقسام و تنوع میں اس کی زیبائش و آرائش کی غرض سے اپنے تفنّنِ طبع کا اظہار کیا کرتا تھا اور اس میدان میں کسی نئی چیز کا اختراع و انکشاف بھی کیا کرتا تھا۔ اگرچہ یہ ایک چھوٹی سی بات ہے مگر یہی چھوٹی چھوٹی باتیں آگے چل کر بہت بڑے اور اہم مسائل بن جاتی ہیں۔

موجودہ دور کے ماہر عمرانیات (SOCIOLOGIST) نے خود کو اعداد و شمار کے حوالے کر دیا ہے۔ اعداد و شمار کو عمرانیات میں اور خصوصاً ایرانی معاشرے پر زبردستی مسلط کیا گیا ہے۔ چنانچہ جب کوئی ماہر عمرانیات کسی گاؤں میں وارد ہوتا ہے تو اس کی نظر وہاں پر بسنے والے انسانوں پر نہیں رہتی بلکہ وہ کچھ سوالات لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتا ہے۔ وہ وہاں کے لوگوں کے بارے میں نہ آنکھ سے دیکھتا ہے اور نہ ذہن سے سوچتا ہے۔ وہ تو بس جوابات کا منتظر رہتا ہے۔ اور جب اسے جوابات مل جاتے ہیں تو وہ انہیں مشین کے حوالے کر دیتا ہے اور انہی کی بنیاد پر نتائج اخذ کرتا ہے۔ انہی کے مطابق معاشرے کے متعلق اپنے فیصلے صادر کرتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس طرز عمل سے انسان کا وجود مفقود ہوتا چلا جا رہا ہے اور کسی بھی کام میں اس کا کوئی عمل دخل نظر نہیں آتا۔ ●●

داستان راستان

استاد شہید مطہری

خون کا مہر

جنگ صفین عنقریب ختم ہونے والی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ شام کی فوج آخری شکست سے دوچار ہونے والی ہے لیکن عمرو بن العاص کے فریب نے شکست کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر دی اور لڑائی رک گئی۔

جب اس کو یہ احساس ہو گیا کہ اس جنگ میں شکست حتمی ہے تو اس نے حکم دیا کہ قرآن نیزوں پر بلند کر دیئے جائیں تاکہ لوگوں پر یہ ثابت کر دیا جائے کہ ہم اپنے اور تمہارے درمیان قرآن مجید کو حاکم تسلیم کرنے کیلئے آمادہ ہیں۔

حضرت علیؑ کے سبھی صاحب بصیرت اصحاب یہ جانتے تھے کہ یہ فریب کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اس فریب کا مقصد یہ ہے کہ جنگ رک جائے اور لشکر شام کو شکست سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ کیونکہ جنگ سے قبل متعدد بار حضرت علیؑ کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی تھی مگر ان لوگوں نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔

لیکن بعض قبائلی اور ظاہر بین لوگوں نے، فوجی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے کمانڈر کے حکم کا انتظار کئے بغیر ہی، جنگ روک دی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے یہ اصرار کرنے لگے کہ محاذ جنگ پر لڑائی روک دینے کیلئے آپ فوراً حکم صادر کر دیں۔ ان لوگوں کا یہ خیال تھا کہ موجودہ صورتحال میں اگر کوئی جنگ جاری رکھتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس نے قرآن سے جنگ کی ہے!!! حضرت علیؑ نے کہا: "تم لوگ اس چیز سے دھوکا مت کھاؤ۔ یہ فریب کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ حکم قرآن یہ ہے کہ ہم لوگ جنگ جاری رکھیں۔ وہ لوگ قرآن کی پیروی کیلئے نہ پہلے آمادہ تھے اور نہ آج اس بات پر آمادہ ہیں کہ قرآنی احکام پر عمل کیا جائے۔ اب ہم لوگ عنقریب ایک نتیجے پر پہونچنے والے ہیں لہٰذا اپنے کو نابودی سے بچانے کیلئے ان لوگوں نے اس فریب سے کام لیا ہے۔"

ان لوگوں نے جواب دیتے ہوئے کہا: "یہ سب صحیح ہے لیکن اب تو وہ لوگ اس بات کا باقاعدہ اعلان کر رہے ہیں کہ ہم قرآن مجید کو اپنے اور تمہارے درمیان حاکم قرار دینے کیلئے آمادہ ہیں۔ لہٰذا اب ہمارا ان لوگوں سے جنگ کرنا قطعی جائز نہیں ہے۔ اس اعلان کے بعد ان سے جنگ کا مطلب قرآن سے جنگ کرنا ہے۔ پس اگر تم نے جنگ بندی کا حکم فوراً نہ جاری کیا تو اسی جگہ ہم تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔"

اس کے بعد دوسرا موقف اختیار کرنا بالکل بے سود تھا۔ سخت کشمکش کی حالت پیدا ہو چکی تھی۔ اگر حضرت علی علیہ السلام اس صورت حال کے باوجود اپنے موقف پر ڈٹے رہتے تو اس کا انجام اپنی شکست اور دشمن کی فتح کی صورت میں رونما ہوتا۔ لہٰذا انہوں نے حکم دیا کہ فی الحال جنگی کارروائی روک دی جائے اور تمام سپاہی محاذ جنگ سے واپس آ جائیں"۔

عمرو بن العاص اور معاویہ کو اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گئے۔ چونکہ ان کا تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا اور اصحاب علیؑ کے درمیان نفاق و اختلاف پیدا ہو گیا اس وجہ سے وہ لوگ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ لیکن معاویہ عمرو بن العاص اور کسی دوسرے ماہر و دوررس سیاسی لیڈر کو اس بات کا اندازہ نہ ہو سکا تھا کہ یہ معمولی سا واقعہ ایک نئے مسلک کی تشکیل کا سبب بن جائیگا۔ اور اس کی بنیاد پر اسلامی مسائل کے سلسلے میں ایک نئے فرقے کی تشکیل عمل میں آ جائے گی اور دینی امور میں ایک ایسے خطرناک طرز فکر کی بنیاد پڑ جائیگی جو بعد میں خود معاویہ اور اس کے جیسے دیگر خلفاء کیلئے انتہائی پریشان کن ثابت ہو گی۔

بہرحال ایسے مسلک اور طرز فکر کا وجود عمل میں آگیا اور ایک نئے فرقے کی تشکیل ہو گئی۔ لشکر علیؑ کے باغیوں نے، جو بعد میں "خوارج" کے نام سے مشہور ہوئے اس روز خودسری اور استبداد کے ذریعہ جنگ بندی

میں کامیابی حاصل کرلی اور بظاہر حاکمیت قرآن کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ طے ہوا کہ دونوں طرف والے اپنا نمایندہ معین کریں اور یہ دونوں نمایندے قرآنی احکام کے مطابق کوئی ایسا فیصلہ کریں جو دونوں کے لیے قابل قبول ہو۔ معاویہ نے عمرو بن العاص کو اپنا نمایندہ منتخب کر دیا۔ حضرت علیؑ نے عمرو بن العاص کے مقابلے میں عباس بن عبداللہ کو اپنا نمایندہ بنانا چاہا۔ اس موقع پر بھی خوارج نے مداخلت کی اور یہ بہانہ کیا کہ انصاف کرنے والا شخص بالکل غیر جانبدار ہونا چاہیئے اور عبداللہ بن عباس علیؑ کے رشتہ دار ہیں اس لیے انہیں علیؑ کا نمایندہ نہیں مقرر کیا جاسکتا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے خود ہی ایک نالائق آدمی کو اس کام کے لیے نامزد کر دیا۔

عمرو بن العاص نے ایک دوسرے فریب کا جال پہلے ہی پھیلا رکھا تھا۔ چنانچہ مکمل باہمی موافقت کے بغیر ہی فیصلہ کرنے والی میٹنگ ختم ہوگئی اور کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔

فیصلہ کرنے والی اس میٹنگ نے ایسی مضحکہ خیز صورت اختیار کرلی کہ اس کی تشکیل کا بنیادی مقصد ہی ختم ہوگیا اور معاشرہ پر اس کا کوئی خاص اثر مرتب نہ ہوسکا۔ صرف یہی نہیں بلکہ خود معاویہ اور عمرو بن العاص پر بھی اس کا کوئی خاص اثر نہ پڑا ان لوگوں کو صرف اتنا فائدہ ہوا کہ فوری طور پر جنگ بند ہوگئی اور علیؑ کے ساتھیوں میں اختلاف پیدا ہوگیا اس کے علاوہ ان لوگوں کو اپنی فوجی طاقت کو بڑھانے اور دوسرے کاموں کا موقع مل گیا۔

دوسری طرف جب خوارج کو اس حقیقت کا اندازہ ہوگیا کہ قرآن کو نیزے پر بلند کرنا اور قرآن کو حکم قرار دیئے جانے کی تجویز پیش کرنا محض ایک فریب تھا اور ان لوگوں کو بخوبی سمجھ لیا کہ انھوں نے غلطی کی ہے۔ لہٰذا اپنی غلطی کے ازالہ کیلئے ان لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ

درحقیقت کسی انسان کو حکومت یا فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ حکومت تو بس خداوند عالم کا حق ہے اور خدا کی کتاب سے بہتر کوئی داور نہیں ہے۔

وہ لوگ اپنی گذشتہ غلطی کی تلافی چاہتے تھے لیکن اس سلسلے میں انہوں نے ایسی راہ کا انتخاب کیا کہ اس سے زیادہ بڑی اور خطرناک غلطی سے دوچار ہوگئے۔

ان کی پہلی غلطی محض ایک سیاسی اور فوجی غلطی تھی۔ بڑی سے بڑی فوجی غلطی مخصوص اور محدود مکان و زمان سے مربوط ہوا کرتی ہے اور اس کی تلافی بھی ممکن

> حضرت علیؑ کی نظر میں خوارج سے جنگ کا مطلب چند ہزار افراد سے جنگ کرنا نہیں تھا بلکہ ان کی یہ جنگ اس فکری جمود اور جاہلانہ استدلال کے خلاف تھی جو اسلامی مسائل میں ایک غلط اور بے بنیاد فلسفے کا نتیجہ تھی۔

ہوتی ہے۔ لیکن ان کی دوسری غلطی کی نوعیت فکری تھی جس کی وجہ سے اسلام کے سماجی مسائل میں ایک ایسے غلط فلسفے کی شروعات ہوئی جس کی وجہ سے اسلام کی بنیاد کیلئے زبردست خطرہ پیدا ہوگیا۔ ان کی یہ غلطی یقیناً ناقابل تلافی تھی۔

اپنی اس مخصوص طرز فکر کی بنیاد پر خوارج نے ایک نعرہ بلند کیا کہ "لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہ" یعنی خداوند عالم کے علاوہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے۔

حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے تھے کہ "یہ بات درست ہے لیکن ایک نادرست اور ناجائز مقصد کیلئے استعمال کی جارہی ہے حکم یعنی فیصلہ اور قانون۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ قانون سازی خداوند عالم کا حق ہے یا اس آدمی کا حق ہے جسے خداوند عالم نے قانون سازی کی اجازت دی ہو۔ لیکن اس جملے سے خوارج کا مقصد یہ ہے کہ حکومت صرف خداوند عالم کے لیے مخصوص ہے حالانکہ انسانی سماج کو ہر اعتبار سے اور ہمہ وقت ایک ایسے مدبر و سرپرست کی ضرورت ہے جو الٰہی قانون کا اجرا کر اسکے"۔ بعد میں خوارج اپنے اعتقاد و عقائد میں قدرے تبدیلی پیدا کرنے کیلئے مجبور ہوگئے۔

خوارج کا یہ نظریہ تھا کہ غیر خدا کی حاکمیت گناہ ہوتی ہے اور اپنے اس نظریہ کی وجہ سے ان لوگوں نے گناہ کیا تھا اس کے لیے توبہ کرلی۔ اور چونکہ حضرت علی علیہ السلام نے "آخر کار" حاکمیت قرآن کی تجویز تسلیم کرلی تھی۔ لہٰذا ان لوگوں نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ تم بھی توبہ کرو۔ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ جنگ بند کرنا اور حکم کی تجویز کو قبول کرنا بہرحال ایک غلطی تھی لیکن اس غلطی کی پوری ذمہ داری تم لوگوں پر ہے میرے اوپر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ لیکن چونکہ حکم کی یہ تجویز قطعی غلط ہے لہٰذا یہ میرے لیے ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔

بہرصورت خوارج اپنے مخصوص عقائد کی پیروی کرنے لگے اور حضرت علی علیہ السلام کو اس وجہ سے برا بھلا کہنے لگے کہ وہ حاکمیت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ دھیرے دھیرے ان لوگوں نے اپنے عقائد میں شاخیں اور پتّیاں بھی پیدا کرلیں اور ایک ایسے مذہبی فرقے کی شکل اختیار کرلی جس کا بیشتر مسائل میں اکثر مسلمانوں سے زبردست اختلاف تھا۔ ان کے مسلک کی سب سے بڑی خصوصیت شدت پسندی

اور قبائلی ذہنیت تھی۔ امر بالمعروف کے سلسلے میں ان لوگوں کا خیال تھا کہ اس سلسلے میں کوئی شرط یا پابندی نہیں ہے بلکہ نڈر اور لاپرواہ ہوکر جدوجہد کی جانی چاہیئے۔

جب تک خوارج صرف اپنے عقائد کے اظہار پر قناعت کئے رہے حضرت علی علیہ السلام نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کے ذریعہ اپنی برائی پر بھی کوئی توجہ نہیں دی اور بیت المال سے ان کے حقوق برابر ادا کرتے رہے اور ان لوگوں کو اپنے عقائد کے اظہار اور بحث و مباحثہ کی اجازت دیتے رہے۔ لیکن جب انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام پر باغیانہ حرکتیں جاری کردیں تو حضرت علیؑ نے ان کی سرکوبی کا حکم صادر کردیا۔

نہروان میں حضرت علی علیہ السلام اور خوارج کے درمیان جنگ ہوئی اور اس جنگ میں خوارج کو زبردست شکست ہوئی۔

مسلم اور صاحب اعتقاد ہونے کی وجہ سے خوارج سے جنگ کرنا انتہائی مشکل کام تھا۔ وہ ایسے لوگ تھے جو دوست اور دشمن کا اعتراف کرنے میں دروغ بیانی سے کام نہ لیتے تھے۔ ان کے لہجے میں عجیب قسم کی صراحت تھی، وہ عبادت گذار تھے اور ان میں سے اکثر افراد کی پیشانی پر سجدہ کا نشان نمایاں تھا۔ وہ لوگ تلاوت کلام پاک اور دیگر عبادتی کاموں میں ساری ساری رات بیدار رہا کرتے تھے۔ لیکن بہت جاہل اور سبک مزاج لوگ تھے۔ اسلام کو ایک خشک، جامد اور بے روح مذہب سمجھتے تھے اور اسی انداز میں وہ اس دین کی تبلیغ بھی کرتے تھے۔

ان لوگوں سے جنگ کرنے اور ان کا خون بہانے کیلئے لوگوں کو آمادہ کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی۔ اگر حضرت علیؑ جیسی عظیم الشان شخصیت درمیان میں نہ ہوتی تو لشکر اسلام کا کوئی سپاہی ان لوگوں سے جنگ کے لیے ہرگز آمادہ نہ ہوتا۔ حضرت علی علیہ السلام نے خوارج سے جنگ کے سلسلے میں افتخار آمیز انداز میں ارشاد فرمایا ہے "یہ میں تھا جس نے کاسۂ سر سے فتنہ کی آنکھ نکال لی۔ میرے علاوہ کسی دوسرے شخص میں اتنی ہمت نہ تھی۔" درحقیقت بات کچھ ایسی ہی تھی۔ یہ صرف حضرت علیؑ کی ذات تھی جس نے ان کی ظاہری مذہبی آرائش اور تقدس مآبی کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اور ہر طرح کی زاہدانہ روش کے باوجود انہیں اسلام کا خطرناک دشمن سمجھا۔ حضرت علیؑ جانتے تھے کہ اگر اس طرز فکر اور فلسفے نے، جو عوام میں فطری طور پر مقبول ہوتا جارہا ہے، عالم اسلام میں اپنی جڑیں مضبوط کرلیں تو عالم اسلام پر ایسا جمود طاری ہوجائے گا کہ اسلام کا یہ درخت جڑ سے سوکھ جائے گا۔

> متعدد بار علیؑ کے گھر والوں اور دوستوں نے ان سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آپ کیساتھ ایک حفاظتی دستہ کا انتظام کردیا جائے۔ لیکن امامؑ نے ان لوگوں کو اس بات کی اجازت نہیں دی تھی

حضرت علیؑ کی نظر میں خوارج سے جنگ کا مطلب چند ہزار افراد سے جنگ کرنا نہیں تھا بلکہ ان کی یہ جنگ اس فکری جمود اور جاہلانہ استدلال کے خلاف تھی جو اسلامی مسائل میں ایک غلط اور بے بنیاد فلسفے کا نتیجہ تھی۔ حضرت علیؑ کے علاوہ کس کی ہمت تھی جو ایسے محاذ پر قدم رکھ سکے۔

جنگ نہروان میں خوارج کو زبردست نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔ اور ان میں اتنی طاقت باقی نہ رہ گئی کہ امید کے مطابق وہ عالم اسلام میں اپنی کوئی جگہ بنا سکیں۔ خوارج کے خلاف علیؑ کی یہ جنگ بہترین سند بن گئی کہ بعد کے خلفاء نے ان لوگوں سے جو جہاد کیا تھا اُسے جائز اور لازمی قرار دیا جاسکے۔ بہرحال اس جنگ کے بعد جو خوارج باقی رہ گئے تھے انھوں نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

اس فرقے کے تین افراد مکہ میں جمع ہوئے اور اپنے خیال میں عالم اسلام کے حالات کا تجزیہ کرنے لگے اور یہ لوگ اس نتیجے پر پہونچے کہ عالم اسلام کی جملہ پریشانی اور بدبختی کا سبب علیؑ، معاویہ اور عمرو بن العاص کا وجود ہے۔ یہی تین آدمی ایسے ہیں جنھوں نے دنیای اسلام کو گوناگوں مسائل میں مبتلا کر رکھا ہے۔

علیؑ وہ آدمی تھے جن کی فوج میں پہلے یہ لوگ سپاہی تھے۔ معاویہ اور عمرو بن العاص وہ تھے جن کا سیاسی مکر و فریب اور فوجی دھوکا اس خطرناک فرقے کی تشکیل کا سبب قرار پایا تھا۔

بہرحال سرزمین مکہ پر جمع ہونے والے ان تین افراد عبدالرحمٰن بن ملجم، برک عبداللہ اور عمر بن بکر تمیمی نے خانۂ کعبہ میں یہ عہد کیا اور قسم کھائی کہ اُن تین آدمیوں کو، جو مسلمانوں کے لیڈر ہیں، رمضان المبارک کی انیسویں (یا سترھویں) شب میں قتل کرڈالیں گے۔ علیؑ کے قتل کے لیے عبدالرحمٰن ابن ملجم کو، معاویہ کیلئے برک بن عبداللہ، اور عمرو بن العاص کے لئے عمرو بن بکر تمیمی کو نامزد کیا گیا۔ غرض اس ارادہ اور آخری فیصلے کے

ساتھ یہ تینوں افراد ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے اور یہ لوگ اپنے اپنے مقصد کی طرف روانہ ہوگئے۔ عبدالرحمٰن بن ملجم مرکز خلافت یعنی کوفہ کی جانب روانہ ہوگیا۔ برک نے اموی حکومت کے مرکز یعنی شام کا راستہ پکڑ لیا اور عمرو بن بکر مصر کی طرف چل پڑا کیونکہ عمرو بن العاص اس وقت مصر کا گورنر تھا۔

انہیں سے دو آدمی یعنی برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر کوئی اہم کام انجام نہ دے سکے۔ کیونکہ برک نے، جسے معاویہ کے قتل کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، معینہ شب میں معاویہ کے پیٹھے پر ایک ضربت لگائی۔ معاویہ کا یہ زخم علاج سے ٹھیک ہوگیا۔ عمرو بن بکر جس نے عمرو بن العاص کے قتل کی ذمہ داری قبول کی تھی۔ وہ ذاتی طور پر عمر عاص کو نہیں پہچانتا تھا۔ نیز اتفاق کی بات تھی معینہ شب میں اپنی بیماری کی وجہ سے عمرو بن العاص نے خارجہ بن حذافہ کو اپنا نمائندہ بنا کر مسجد بھیج دیا تھا۔ عمرو بن بکر نے یہ سمجھا کہ عمرو بن العاص یہی ہے لہٰذا ایک ہی وار میں اس نے اُسے قتل کر ڈالا۔ اُسے بعد میں پتہ چلا کہ مقتول عمرو بن العاص نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ ان تینوں آدمیوں میں صرف عبدالرحمٰن بن ملجم ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔

عبدالرحمٰن بن ملجم شہر کوفہ میں داخل ہوا اور کسی سے اپنے ارادہ کا اظہار نہ کیا۔ وہ اپنے فیصلے کے بارے میں بار بار غور و فکر کرتا رہا۔ اپنے فیصلے پر مسلسل نظر ثانی کے بعد اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ کیونکہ علیؑ کی شخصیت ایسی نہ تھی کہ بڑا سے بڑا شقی اور سنگ دل آدمی بھی ان کے قتل کیلئے بآسانی آمادہ ہو جائے لیکن جن اتفاقات کی وجہ سے مصر اور شام میں عمرو بن العاص اور معاویہ کو نجات حاصل ہوئی تھی، عراق میں ایک دوسرا اتفاق رونما ہوا اور اس اتفاق نے ابن ملجم کو اپنے فیصلے پر اٹل بنا دیا۔ اگر یہ اتفاق نہ رونما ہوا ہوتا تو ابن ملجم اپنا ارادہ پوری طرح ملتوی کر چکا تھا لیکن درمیان میں ایک عورت کا عشق آگیا۔

شہر کوفہ میں قیام کے دوران ایک دن عبدالرحمٰن ابن ملجم اپنے ایک ہم مسلک سے ملنے کیلئے اس کے گھر گیا۔ وہاں ایک لڑکی سے اس کی ملاقات ہوئی جس کا نام قطام تھا اور جس کا خارجی باپ

عبدالرحمٰن ابن ملجم شہر کوفہ میں داخل ہوا اور کسی سے اپنے ارادہ کا اظہار نہ کیا۔ وہ اپنے فیصلے کے بارے میں بار بار غور و فکر کرتا رہا۔ اپنے فیصلے پر مسلسل نظر ثانی کے بعد اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا

جنگ نہروان میں قتل ہوگیا تھا۔ قطام انتہائی خوبصورت اور دلکش لڑکی تھی لہٰذا ابن ملجم پہلی ہی نظر میں اس پر دل و جان سے فریفتہ ہوگیا۔ قطام کو دیکھنے کے بعد مکہ میں اس نے جو عہد کیا تھا اسے بھول گیا۔ اور قطام کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا اور تمام گزری ہوئی باتوں کو فراموش کر دینا چاہا۔

چنانچہ ایک دن ابن ملجم نے قطام کے سامنے شادی کی تجویز پیش کر دی۔ قطام نے اس کی تجویز قبول کر لی۔ لیکن اپنے مہر کا تعین کرتے وقت قطام نے دوسری چیزوں کے ساتھ ہی ساتھ ایک ایسی چیز کا نام لیا جس کو سن کر ابن ملجم کے ہوش اڑ گئے اور اس کے چہرے پر دھواں سا چھا گیا۔ قطام نے کہا "میرے مہر کی فہرست یہ ہے۔ تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک کنیز اور خون علیؑ بن ابیطالب!!!۔"

ابن ملجم نے اپنی معشوقہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "روپیہ، غلام اور کنیز میں ابھی تمہاری خدمت میں حاضر کئے دیتا ہوں۔ لیکن علیؑ کا قتل کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کیا ہم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کرنا نہیں چاہتے؟ علیؑ کو قتل کر کے بعد میں اپنی جان کیسے بچا سکتا ہوں؟" قطام نے کہا "میرا مہر یہی ہے جو میں نے تم سے بیان کر دیا علیؑ کو میدان جنگ میں قتل نہیں کیا جا سکتا لیکن محراب عبادت میں یہ کام ممکن ہے اگر قتل علیؑ کے بعد تمہاری جان سلامت رہ گئی تو ہم لوگ پوری زندگی سکون کے ساتھ بسر کریں گے اور اگر اس سلسلے میں تم بھی قتل ہو گئے تو پروردگار سے تمہیں بہت بڑا اجر ملے گا۔ میں اس کام کیلئے کچھ لوگوں کو تمہارے ساتھ کر سکتی ہوں تاکہ تم تنہا نہ رہو۔"

ابن ملجم قطام کے عشق میں بری طرح گرفتار تھا۔ اس سرکش عشق نے اسے کینہ پروری اور انتقام گیری کی برائی روش اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ اس نے پہلی بار اپنا راز ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "درحقیقت میں علیؑ بن ابیطالب کو قتل کرنے کیلئے ہی کوفہ آیا ہوں قطام ابن ملجم کی اس بات سے وہ بہت خوش ہوئی اور اس نے وردان نامی ایک شخص کو ابن ملجم کا ساتھ دینے کے لیے آمادہ کر لیا۔ خود ابن ملجم نے ایک دن اپنے ایک ہم خیال اور معتمد

دوست شبیب بن بجرۃ سے ملاقات کی اور اس سے کہا۔

"کیا تو ایک کام میں شرکت کے لیے آمادہ ہے جس کی وجہ سے تجھے دنیا و آخرت دونوں جگہ شرف حاصل ہو سکے۔؟"

"آخر وہ کون سا کام ہے ؟"

"قتل علیؑ بن ابیطالبؑ۔"

"خدا تجھے موت دے تو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ قتل علیؑ بن ابیطالبؑ؟ وہ علیؑ جس نے راہ اسلام میں عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں؟"

"ہاں وہی علیؑ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ حاکمیت کی تجویز کو تسلیم کر لینے کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے؟ راہ اسلام میں انھوں نے چاہے جتنی گرانقدر خدمت انجام دی ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جنگ نہروان میں انھوں نے ہمارے عبادت گذار اور نمازی بھائیوں کا قتل کیا ہے۔ شرعی اعتبار سے قصاص کے طور پر ہم لوگ انھیں قتل کر سکتے ہیں۔"

"علی بن ابیطالبؑ پر کیسے غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے؟"

"بہت آسان ہے۔ مسجد میں ہم لوگ گھات لگا کر بیٹھ جائیں۔ جیسے ہی صبح کی نماز کیلئے وہ مسجد میں داخل ہوں ہم لوگ اپنے کپڑے کے اندر پوشیدہ تلواروں سے ان پر حملہ کر کے ان کا کام تمام کر دیں۔"

عبدالرحمٰن ابن ملجم اپنے دوست شبیب کو بڑی دیر تک سمجھاتا رہا۔ آخر کار وہ اس کام کیلئے راضی ہو گیا۔ ابن ملجم اسے اپنے ہمراہ قطام کے پاس مسجد کوفہ لے گیا۔ قطام ان دنوں مسجد کوفہ میں اعتکاف کے عالم میں تھی۔ قطام سے اپنے دوست شبیب کا تعارف کرایا۔ قطام کہنے لگی۔" بہت خوب وردان بھی تم لوگوں کے ساتھ ہے۔ جس رات تم لوگ آخری فیصلہ کرنا پہلے میرے پاس ضرور آجانا۔"

عبدالرحمٰن نے خانۂ کعبہ میں اپنے ساتھیوں کے سامنے رمضان المبارک کی انیسویں (یا سترھویں) شب تک انتظار کیا۔ معینہ شب میں وہ شبیب کے ساتھ قطام کے پاس گیا۔ قطام نے ان لوگوں کے سینے پر حریر کی پٹی باندھی۔ تھوڑی دیر میں وردان بھی آگیا اور یہ تینوں آدمی اس دروازہ کے قریب بیٹھ گئے۔ جس سے معمولاً حضرت علیؑ مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے۔ وہ عبادت اور پاکیزگی نفس کی رات تھی لہٰذا دوسرے لوگوں کی طرح یہ لوگ بھی نماز اور دیگر عبادتی امور میں مصروف ہو گئے۔

جب اس کو یہ احساس ہو گیا کہ اس جنگ میں شکست حتمی ہے تو اس نے حکم دیا کہ قرآن نیزوں پر بلند کر دیئے جائیں تاکہ لوگوں پر ثابت کر دیا جائے کہ ہم اپنے اور تمہارے درمیان قرآن مجید کو حاکم تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں۔

ان تینوں آدمیوں کے دل میں طوفان امنڈ رہا تھا کہ کہیں لوگوں کو ان پر شک نہ ہو جائے لہٰذا یہ لوگ قیام و قعود اور رکوع و سجدہ میں پوری طرح لگے رہے مگر ان لوگوں کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں نہ ہوئے۔ مسجد میں موجود دوسرے لوگوں کو بڑا تعجب تھا کہ آخر یہ لوگ تھکتے کیوں نہیں۔

دوسری طرف حضرت علی علیہ السلام نے اس رمضان المبارک کے مہینے میں اپنے لیے مخصوص پروگرام مرتب کر رکھا تھا۔ ہر شب وہ اپنے کسی لڑکے یا لڑکی کے یہاں افطار کیا کرتے تھے۔ کسی شب میں وہ تین لقمہ سے زیادہ نہیں کھاتے تھے۔ لڑکے اصرار کیا کرتے تھے کہ کچھ زیادہ کھائیں۔ وہ جواب میں صرف اتنا کہتے تھے۔" میں چاہتا ہوں کہ جب اپنے پروردگار سے ملاقات کے لیے جاؤں تو میرا پیٹ خالی رہے۔" وہ اکثر یہ کہا کرتے تھے۔" پیغمبر اسلام نے مجھ سے جو علامتیں بیان کی ہیں اس کے مطابق میری سفید داڑھی میرے سر کے خون سے رنگین ہونے والی ہے۔"

اس رات علیؑ اپنی لڑکی جناب ام کلثومؑ کے مہمان تھے۔ دوسری راتوں کے مقابلے میں آج ان کے چہرے پر ہیجان اور انتظار کے آثار نمایاں تھے۔ جیسے ہی گھر کے دوسرے لوگ بستر کی طرف روانہ ہوئے انھوں نے اپنا مصلیٰ بچھایا اور عبادت میں مصروف ہو گئے۔

صبح نمودار ہونے والی تھی کہ حضرت حسنؑ اپنے والد کے پاس آئے۔ حضرت علی علیہ السلام نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا" میرے فرزند عزیز! آج رات میں بالکل نہیں سویا۔ اور گھر والوں کو بھی بیدار رکھا کیونکہ یہ شب جمعہ شب بدر (شب قدر) کے برابر ہے۔ لیکن بیٹھے بیٹھے تھوڑی دیر کیلئے میری آنکھ لگ گئی تھی میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ پیغمبرؐ اسلام تشریف لائے ہیں۔ میں نے ان سے کہا۔

"یا رسول اللہ! آپ کی امت نے مجھے تکلیف دی" پیغمبر نے ارشاد فرمایا" جن لوگوں نے تمہیں اذیت دی ہے ان پر لعنت کرو۔" میں نے ان لوگوں پر اس انداز میں لعنت کی کہ۔" اے پروردگار! مجھے ان لوگوں کے درمیان سے جلد از جلد اٹھالے اور ان لوگوں کے

مزاج کے مطابق ان کے درمیان کسی ایسے شخص کو بھیج دے جوان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے جیسا یہ دوسروں کے ساتھ کرتے ہیں۔"

اسی اثنا میں موذن نے خبر دی کہ نماز کا وقت قریب آگیا ہے۔ علیؑ فوراً ہی مسجد کی طرف روانہ ہوگئے۔ علیؑ کے گھر میں بچّوں نے کچھ مرغابیاں پال رکھی تھیں۔ جیسے ہی علیؑ نے گھر سے باہر قدم رکھنا چاہا ان مرغابیوں نے زور زور سے بولنا شروع کر دیا۔ اہل خانہ میں سے کسی نے ان مرغابیوں کو خاموش کرنا چاہا تو حضرت علیؑ نے اس سے کہا: "ان سے کچھ مت کہو یہ انکے نالہ و شیون کی آواز اور عزا کا انداز ہے۔"

دوسری طرف عبدالرحمن ابن ملجم اور اس کے ساتھی بڑی بیقراری سے علیؑ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ قطام اور اشعث بن قیس کے علاوہ ان لوگوں کے راز سے کوئی واقف نہ تھا۔ اشعث بن قیس ایک پست فطرت آدمی تھا۔ اسے علیؑ کی روش عدالت قطعی پسند نہ تھی اور وہ معاویہ سے خفیہ رابطہ قائم کئے ہوئے تھا۔ اسی درمیان ایک ایسا حادثہ ہوا جس کی وجہ سے ان لوگوں کا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا مگر یہ اتفاق کی بات ہے کہ ایسا نہ ہو سکا۔ اشعث ابن ملجم کے پاس پہونچا اور کہنے لگا: "موسم صاف ہوتا جا رہا ہے۔ اگر صبح کی روشنی پھیل گئی تو سوائے تیری ذلت و رسوائی کے اور کچھ نہ حاصل ہوگا لہٰذا اپنے کام میں جلدی کر۔ تاخیر قطعی مناسب نہیں ہے۔" حضرت علیؑ کے مخلص ساتھی حجر ابن عدی اشعث اور ابن ملجم کی اس رازدارانہ گفتگو کو سن رہے تھے۔ وہ فوراً سمجھ گئے کہ ان لوگوں نے کوئی شرمناک منصوبہ بنا رکھا ہے۔ حجر ابن عدی ابھی ابھی سفر سے واپس آئے تھے۔ ان کا گھوڑا مسجد کے دروازہ پر کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ حضرت علیؑ نے انہیں کسی کام سے باہر بھیجا تھا اور واپسی کے بعد وہ امیر المومنینؑ کی خدمت میں اپنے سفر کی رپورٹ پیش کرنا چاہتے تھے۔

حجر بن عدی نے اشعث کی بات سنی اور اسے برا بھلا کہتے ہوئے فوراً ہی مسجد سے باہر نکل آئے تاکہ حضرت علیؑ کو اس بات سے آگاہ کر دیں اور کوئی ناخوشگوار حادثہ نہ ہونے پائے۔ لیکن جیسے ہی حجر بن عدی حضرت علیؑ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے علیؑ دوسرے راستہ سے مسجد پہونچ گئے۔

ان تینوں آدمیوں کے دل میں طوفان امنڈ رہا تھا کہ کہیں لوگوں کو ان پر شک نہ ہو جائے لہٰذا یہ لوگ قیام و قعود اور رکوع و سجدہ میں پوری طرح لگے رہے مگر ان لوگوں کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں نہ ہوئے۔ مسجد میں موجود دوسرے لوگوں کو بڑا تعجب تھا آخر یہ لوگ تھکتے کیوں نہیں؟

اس سے قبل متعدد بار علیؑ کے گھر والوں اور دوستوں نے ان سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ اجازت دے دیں تو آپ کے ساتھ ایک حفاظتی دستے کا انتظام کر دیا جائے۔ لیکن امامؑ نے ان لوگوں کو اس بات کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ ہمیشہ تنہا آیا جایا کرتے تھے۔ اس رات بھی ان کی خدمت میں دوبارہ درخواست پیش کی گئی۔ لیکن انہوں نے پہلے کی طرح پھر اس درخواست کو نامنظور کر دیا۔ علیؑ مسجد میں داخل ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "ایھا الناس نماز! نماز!" تھوڑی دیر کے بعد اس تاریکی میں بجلی کی طرح دو تلواریں چمکیں اور "الحکم للہ یا علی لا لک" کی آواز سے مسجد میں موجود تمام لوگ کانپ اٹھے۔ پہلی تلوار شبیب نے ماری تھی مگر وہ دیوار سے ٹکرا گئی۔ اور وہ کارگر نہ ہوسکی۔ اور دوسری تلوار عبدالرحمن ابن ملجم نے چلائی تھی جو حضرت علیؑ کے سر میں داخل ہوگئی۔ ادھر حجر بن عدی فوراً ہی مسجد کی طرف پلٹے۔ لیکن وہ اس وقت پہونچے جب لوگوں کی زبان پر یہ درد آمیز کلمات جاری تھے۔

"امیر المومنینؑ شہید ہو گئے، امیر المومنینؑ شہید ہو گئے۔"

ضربت کھانے کے بعد حضرت علیؑ کی زبان سے بے ساختہ یہ کلمات جاری ہو گئے۔

"پروردگار کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔"

پھر آپ نے کہا: "یہ آدمی"

ابن ملجم، شبیب اور وردان تینوں مسجد سے نکل بھاگے۔ چونکہ وردان سامنے نہیں آیا تھا اس لیے لوگ اسے نہیں پہچان سکے۔ شبیب بھاگا جا رہا تھا کہ درمیان میں حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے ایک نے اسے گرفتار کر لیا۔ انہوں نے شبیب کی تلوار چھین لی اور اس کی سینے پر سوار ہو کر اس کا سر قلم کر دینا چاہتے تھے کہ انھوں نے دیکھا کہ لوگ گروہ در گروہ بھاگتے چلے آرہے تھے۔ چنانچہ وہ ڈر گئے کہ انجانے میں کہیں لوگ شبیب کے بجائے انھیں نہ قتل کر ڈالیں۔ چنانچہ ڈر کے مارے وہ شبیب کے سینے سے اتر آئے۔ اور وہ پھر بھاگ کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے گھر میں داخل ہو گیا۔ شبیب کا چچا زاد بھائی اس سے ملنے کی غرض سے گھر آیا۔ جیسے ہی اس کو یہ معلوم ہوا کہ علیؑ کے

قتل میں شبیب بھی شریک تھا اس نے تلوار اٹھائی اور شبیب کو اسی وقت قتل کر ڈالا۔

تھوڑی دیر بعد لوگوں نے ابن ملجم کو گرفتار کر لیا۔ پہلے اس کا ہاتھ باندھا پھر اسے مسجد کوفہ کی طرف لے آئے۔ سارے شہر میں غم وغصہ کی لہر دوڑ چکی تھی اور لوگ اُسے اپنے دانتوں سے کچا چبا جانا چاہتے تھے۔

حضرت علیؑ نے لوگوں سے کہا: "عبدالرحمٰن ابن ملجم کو میرے پاس لے آؤ۔"

لوگ ابن ملجم کو حضرت علیؑ کے پاس لے آئے۔ آپ نے اس سے پوچھا۔

"کیا میں نے تیرے ساتھ نیکیاں نہیں کیں؟"

"کیوں نہیں"

"پس تو نے میرے اوپر یہ قاتلانہ حملہ کیوں کیا؟"

"بہر حال! پچھلے چالیس دنوں سے میں اس تلوار کو برابر زہر کے پانی میں بجھایا کرتا تھا اور خداوند عالم سے یہ دعا مانگتا تھا کہ زہر میں بجھی ہوئی اس تلوار سے دنیا کے سب سے زیادہ خراب آدمی کے قتل کی توفیق عطا کر دے۔"

بارگاہ خداوندی میں تیری یہ دعا مقبول ہے کیونکہ عنقریب اپنی اسی تلوار سے تو خود ہی قتل کر ڈالا جائے گا۔" اس کے بعد حضرت علیؑ نے اپنے بستر کے ارد گرد جمع اعزا و اقارب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"اے فرزندان عبدالمطلبؑ! دیکھو! تم لوگ کسی کے پیچھے نہ پڑنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لوگ میرے قتل کے بہانے لوگوں کو اس جرم میں شریک سمجھتے ہوئے ان پر الزام لگانے لگو اور عوام میں خونریزی کا بازار گرم کر دو۔

اس کے بعد آپ نے اپنے فرزند حسنؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹا حسن! اگر میں زندہ رہ گیا تو مجھے معلوم ہے کہ اس شخص کے ساتھ کیا کیا جانا چاہئیے۔ لیکن اگر میں مر جاؤں تو اس شخص کو ایک سے زیادہ ضربت نہ لگانا کیوں کہ اس نے میرے اوپر ایک ہی ضربت لگائی ہے۔ اس کا مثلہ ہرگز نہ کرنا، اس کی ناک کان، اور زبان قطعی نہ کاٹنا کیونکہ پیغمبرؐ اسلام کا ارشاد گرامی ہے۔

"مثلہ سے تم لوگ پرہیز کرو چاہے وہ پاگل کتا ہی کیوں نہ ہو۔" پس تم اپنے قیدی کی فکر کرو اور

> علیؑ خداوند عالم کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے اور اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ محمدؐ خدا کے پیغمبرؐ ہیں خداوند عالم نے انہیں دنیا میں بھیجا تاکہ وہ اپنے دین کو تمام دیگر ادیان و مذاہب پر غالب بنا دے۔ بیشک میری نماز و عبادت اور حیات و موت خدا کی طرف سے اور خدا کیلئے ہے وہ خدا جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

دیکھو اس کے کھانے پینے کا خاص خیال رکھنا اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا۔"

امام حسنؑ کے حکم کے مطابق اس دور کے ماہر طبیب اثیر بن عمرو کو بلایا گیا۔ اس نے زخم کا باقاعدہ معائنہ کیا اور کہنے لگا "جس تلوار سے حملہ ہوا ہے وہ زہر میں بجھی ہوئی تھی لہذا زہر دماغ کے اندر پھیل چکا ہے پس اس کا علاج ناممکن ہے۔"

بہر حال ضربت لگنے کے بعد حضرت علیؑ ۴۸ گھنٹوں تک زندہ رہے۔ اس وقفے کے دوران حضرت علیؑ مسلسل پند و نصیحت اور رشد و ہدایت میں لگے رہے۔ شہادت سے قبل آپ نے مندرجہ ذیل ۲۰ نکاتی وصیت لکھوائی۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ علی بن ابیطالب ان باتوں کی وصیت کرتا ہے۔ علیؑ خداوند عالم کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے اور اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ محمدؐ خدا کے پیغمبرؐ ہیں۔ خداوند عالم نے انھیں دنیا میں بھیجا تاکہ وہ اپنے دین کو تمام دیگر ادیان و مذاہب پر غالب بنا دے۔ بیشک میری نماز و عبادت اور حیات و موت خدا کی طرف سے اور خدا کے لیے ہے۔ وہ خدا جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ یہی میرا عقیدہ و ایمان ہے اور میں بارگاہ خداوندی میں تسلیم شدہ لوگوں میں سے ہوں۔

بیٹا حسن! میں تمہیں، اپنے سبھی لڑکوں اور گھر والوں کو مندرجہ ذیل امور کی وصیت کرتا ہوں۔

۱۔ تم لوگ تقوئی اور خوف الٰہی سے کبھی غافل نہ ہونا اور تادم مرگ خدا کے دین پر ثابت قدم رہنے کی کوشش کرنا۔

۲۔ تم سب لوگ خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہنا، ایمان و معرفت الٰہی کی بنیاد پر آپس میں متحد و متفق رہنا اور تفرقہ سے دور رہنا۔ پیغمبرؐ اسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ لوگوں کے درمیان صلح و آشتی اور اتحاد و اتفاق نماز اور ہمیشہ روزہ رکھنے سے زیادہ افضل ہے اور جو چیز دین کو محو اور نابود کر دیتی ہے وہ فساد اور اختلاف ہے۔

۳۔ اپنے ارحام اور قرابت داروں سے غفلت نہ کرنا بلکہ ان کے ساتھ صلۂ رحم کرتے رہنا کیونکہ صلۂ رحم خداوند عالم کے سامنے انسان کے حساب کو آسان بنا دیتا ہے۔

۴۔ خدا کی پناہ! خدا کی پناہ یتیموں سے ہرگز غفلت نہ اختیار کرنا۔ خبردار کوئی یتیم بھوکا اور بے سرپرست

نہ رہ جائے۔

۵۔ خدارا! پڑوسیوں کا پورا پورا خیال رکھنا۔ پیغمبرِ اسلام نے پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں ایسی باتیں بیان کی ہیں اور اتنی تاکید فرمائی ہے کہ ہم لوگوں کو یہ گمان ہونے لگا تھا کہ وہ پڑوسیوں کو میراث میں شریک بنا دینا چاہتے ہیں۔

۶۔ خدارا! خدارا! قرآن کے سلسلے میں خصوصی توجہ رکھنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآنی احکام کی پیروی میں دوسرے لوگ تم سے آگے نکل جائیں۔

۷۔ خدارا! خدارا! دیکھو نماز کے سلسلے میں پوری طرح آمادہ رہنا کیونکہ نماز تمہارے دین کا ستون ہے۔

۸۔ خدارا! خدارا! خانۂ کعبہ کی طرف ہمہ تن متوجہ رہنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ فریضۂ حج معطل ہو جائے اگر حج متروک ہو گیا تو دیکھتے ہی دیکھتے لوگ تمہیں نگل جائیں گے اور تمہیں اتنی مہلت کبھی نہ مل پائے گی کہ تم اپنے کو سنبھال سکو۔

۹۔ دیکھو راہِ خدا میں جہاد سے غفلت نہ کرنا اور خدا کی راہ میں اپنے جان و مال کی پرواہ نہ کرنا۔

۱۰۔ خدارا! خدارا! زکوٰۃ کے سلسلے میں پوری طرح متوجہ رہنا کیونکہ زکوٰۃ الٰہی غیض و غضب کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتی ہے۔

۱۱۔ خدارا! خدارا! اہلبیت پیغمبرؐ کے سلسلے میں غفلت نہ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے پیغمبرؐ کے اہلبیتؑ ظلم و ستم کا شکار ہو جائیں۔

۱۲۔ خدارا! خدارا! پیغمبرؐ کے اصحاب اور دوستوں کے بارے میں خاص توجہ رکھنا۔ خود پیغمبرؐ اسلام نے اپنے اصحاب اور ساتھیوں کے بارے میں حسن اخلاق، محبت کی سفارش کی ہے۔

۱۳۔ خدارا! خدارا! فقراء اور خالی ہاتھ لوگوں کے بارے میں غفلت نہ ہونے پائے بلکہ انہیں زندگی میں اپنا شریک قرار دینا۔

۱۴۔ خدارا! خدارا! غلاموں کے سلسلے میں کوتاہی نہ ہو کیونکہ پیغمبرؐ اسلام کی آخری سفارش انہیں لوگوں کے حق میں تھی۔

۱۵۔ جس کام سے خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہو اسے انجام دینے کی بھرپور کوشش کرنا اور اس سلسلے میں اس بات کی قطعی پرواہ نہ کرنا کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔

۱۶۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ہرگز نہ چھوڑنا اگر تم نے اسے ترک کر دیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ برے اور ناپاک لوگ تم پر مسلّط ہو جائیں گے اور تمہارے اوپر طرح طرح کے مظالم کریں گے۔ ایسے موقع پر تم میں سے نیک لوگ چاہے جتنی دعا کریں مگر ان کی دعا قبول نہ ہوگی۔

۱۷۔ لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا کیونکہ قرآن مجید نے اچھے اخلاق کا حکم دیا ہے

۱۸۔ آپس میں دوستانہ تعلقات کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینا تمہاری ذمّہ داری ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرنا۔ آپس میں کنارہ کشی، علیحدگی، قطع تعلقات اور تفرقہ سے پرہیز کرنا۔

۱۹۔ کارِ خیر کو ایک دوسرے کی مدد سے اجتماعی طور پر انجام دینا اور ایسے کاموں میں تعاون سے پرہیز کرنا جو کدورت، دشمنی اور گناہ کا سبب ہوں۔

۲۰۔ خدا سے ڈرتے رہنا کیونکہ خدا کا غضب سخت ہے۔ خداوند عالم تم لوگوں کو اپنی حمایت کے سایہ میں محفوظ رکھے اور پیغمبرؐ کی امّت کو یہ توفیق عطا کرے کہ وہ تمہارے اور اپنے پیغمبرؐ کے احترام کی حفاظت کرتے رہیں۔ میں تم سبھی لوگوں کو خداوند عالم کی سپردگی میں دیتا ہوں۔ تم سبھی لوگوں پر درود و سلام۔"

اس وصیت کے بعد حضرت علیؑ کی زبان سے لا الہ الا اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا جملہ نکلا اور وہ اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ ●

۱؎ ۔ نہج البلاغہ ۔ خطبہ ۴۰ ۔ کلمة حق یراد بها الباطل ۔ نعم انه لا حکم الا للّٰه ......

۲؎ ۔ انا فقأت عین الفتنه ولم یکن لیجترئ علیها غیری بعد ان ماج غیبها واشتد کلبها ۔
نہج البلاغہ خطبہ ۹۱

۳؎ ۔ یہ بات انتہائی حیرت انگیز تھی کہ ایک عورت اپنے مہر میں خون علیؑ کا مطالبہ کرے۔ چنانچہ یہ اس دور کے شاعروں کے لیے ایک موضوع بن گیا۔ اس سلسلے میں ایک شاعر نے اپنے کلام میں اس طرح اشارہ کیا ہے۔

ولم ار مهراً ذو سماحة
کمهر قطام من فصیح و اعظم۔
ثلاثة آلاف و عبد و قینة
وقتل علی بالحسام المصمّم
ولا مهر اعلی من علی وان علا۔
ولا فتک الا دون فتک ابن ملجم۔

۴؎ ۔ فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَه ۔

معراج فکر و خیال

۱۔ مسئلہ اپنی معلومات میں اضافہ کے لئے دریافت کیجئے۔ اس کا مقصد بحث و مباحثہ اور فضیلت و برتری کا اظہار ہرگز نہ ہونا چاہیئے علم کی تڑپ رکھنے والا مرد نادان دانشمند کی شبیہ ہے اور اپنے حریف کی فضیلت و برتری کی فکر میں مصروف دانشمند شخص کی مثال اس نادان آدمی جیسی ہے جو لڑائی جھگڑے کے دوران اپنے حریف کو گڑھے میں ڈھکیل دینا چاہتا ہے۔

(امام علی علیہ السلام)

۲۔ حضرت علیؑ کے عقائد و نظریات کی روشنی میں سماجی ملکیت میں لوگوں کے ساتھ اقتصادی خیانت کرنے والا واجب القتل ہے۔ یہ ایک فقہی اقتصادی، قانونی اور سماجی حقیقت ہے۔ حضرت علیؑ کے دورِ حکومت میں سماج میں اقتصادی اور قانونی مساوات پوری طرح موجود تھی اور بیت المال پر تمام لوگوں کو مساوی حقوق حاصل تھے۔

(ڈاکٹر علی شریعتی)

۳۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علیؑ کے اقوال کو کلام الٰہی سے کمتر اور کلام مخلوق سے بہتر و افضل کہا گیا ہے اور تمام لوگوں نے تقریر و تحریر کا فن ان سے سیکھا ہے..... حضرت علیؑ کے کلام کی فضیلت کے لئے صرف اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ لوگوں نے ان کے کلام کا جو دسواں یا بیسواں حصہ محفوظ کر رکھا ہے۔ وہ پیغمبر اسلامؐ کے دیگر اصحاب کے کلام و اقوال سے کہیں زیادہ ہے۔ حالانکہ اصحاب پیغمبرؐ میں بڑے بڑے فصیح لوگ بھی موجود تھے۔

(ابن ابی الحدید)

۴۔ حضرت علیؑ محض میدان جنگ کے ہیرو نہ تھے بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی شجاعت نمایاں تھی۔ دل کی پاکیزگی، ضمیر کی طہارت، تقریر کی دلکشی، حقیقی انسانیت، ایمان کی حرارت، عظیم الشان تسکین قلب، مظلوموں کی بھرپور حمایت، اور تسلیم حقیقت کے میدان میں علیؑ ایک عظیم المرتبت بہادری کا پیکر تھے۔

(عیسائی دانشور میخائیل نعیمہ)

۵۔ کیا تم علیؑ جیسے کسی ایسے شخص سے واقف ہو جو انسانی حقیقت کو بشری عقل و شعور سے بخوبی آشنا کر دے۔ وہ انسانی حقیقت جو طویل ماضی اور ابدیت جیسے مستقبل کی حامل ہے اور جسکی گہرائی کا اندازہ لگانا کوئی آسان کام نہیں۔ وہ انسانی حقیقت جس کو دنیا کے ہر ایک عقل مند آدمی نے اپنی روش اور اپنی فطرت کے مطابق سمجھا ہے اور دوسرے تمام لوگ اس سے لاعلمی کے ساتھ اس کے سایہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

(لبنان کے عیسائی دانشور جارج جرداق)

۶۔ حضرت محمدؐ کے پروردہ علیؑ اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے گہرے وفادار تھے ...... دین کی پابندی سے علیؑ کو بے پناہ عشق تھا۔ وہ صادق القول اور صادق العمل تھے۔ اور اخلاقی امور میں بڑی باریک بینی سے کام لیتے تھے۔ نام و نمود اور دولت پرستی سے انھیں بڑی نفرت تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک بہادر مجاہد تھے اور ان کے وجود میں اولیاء اللہ کی جملہ صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

(پروفیسر پیتر دشفسکی آف لینن گراڈ یونیورسٹی)

۷۔ نہج البلاغہ کا مطالعہ کرتے وقت مجھے کبھی ایک ایسی نورانی عقل دکھائی دیتی تھی جو جسمانی مخلوق سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی۔ یہ نورانی عقل ارواح و مجردات الٰہی سے علیحدہ ہو کر انسانی روح میں شامل ہو گئی ہے اور اس انسانی روح کو فطرت کے لباس سے آراستہ کر دیا گیا ہے اور اسکے بعد اسے ملکوت اعلیٰ کی بلندی تک لیجا کر روشن ترین انوار کا دیدار کرایا گیا ہے اور اس حیرت انگیز صفت کے ساتھ فطری رکاوٹوں سے نجات حاصل کرنے کے بعد اسے عالم قدس میں سنوارا گیا ہے۔ (شیخ محمد عبدہ)

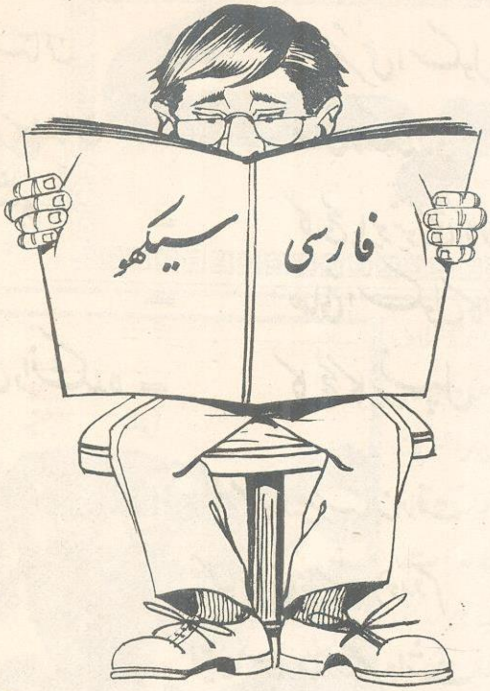

فارسی سیکھو

درسِ ششم

مَصدَر وَ ماضیِ مُطلق

آمدن — آمد	رفتن — رفت	دیدن کردن — دیدن کرد
خوردن — خورد	گفتن — گفت	ثبت نام کردن — ثبت نام کرد
دیدن — دید	کردن — کرد	
شنیدن — شنید	ساختن — ساخت	

توضیح:

ثبت نام کردن = نام درج کرانا

دیدن کردن = معائنہ کرنا

صرف ماضی مطلق از مصدر آمدن (گردان)

من آمدم — میں آیا	او آمد — وہ آیا	تو آمدی — تم آئے۔ تو آیا
ما آمدیم — ہم آئے	ایشان آمدند — وہ لوگ یہ لوگ آئے	شما آمدید — آپ آئے

کودکستان = نرسری۔ کے۔ جی اسکول		دانشکده = کالج۔ دانشکده علوم، سائنس کالج	
دبستان = پرائمری اسکول		دانشگاه = یونیورسٹی۔ جامعه	
دبیرستان = ھائی (سکنڈری) اسکول		شاگرد = طالب العلم	
دانشجو = کالج یا یونیورسٹی کا طالب علم		آموزگار = مُعلّم۔ پرائمری اسکول کا استاد	
دبیر = ھائی اسکول کا استاد		استاد = استاد۔ پروفیسر	
رئیس دانشکده = کالج کا پرنسپل		رئیس دانشگاه = وائس چانسلر	

اکرم به دبیرستان رفت — سلمان داستان خوبی گفت

من چای با شیر خوردم — هر که گل گفت، گل شنید۔

این مسجد مدرسه هم داشت — آقای دکتر ابراهیم رئیس دانشگاه علوم بود۔

من به رئیس دانشگاه نامه نوشتم — در این کلاس بیست شاگرد ثبت نام کردند

آموزگار اسم شاگردان را در دفتر نوشت — پسر من برای نماز خواندن به مسجد رفت

رئیس جمهوری اسلامی ایران از دانشکده ادبیات دیدن کرد۔

تمرین: (الف) به سؤالهای زیر پاسخ (جواب) دهید۔

۱۔ شما با چه وسیله به خانه فرهنگ آمدید؟

۲۔ احمد چه خورد؟

۳۔ فاطمه کجا رفت؟

۴۔ شما کجا درس خواندید؟

۵۔ استاد در کلاس چه گفت؟

۶۔ رئیس دانشگاه شما که بود؟

۷۔ دانشکده شما چند تا دانشجو داشت؟

۸۔ شما به که نامه نوشتید؟

۹۔ ایشان برای گردش به کجا رفتند؟

۱۰۔ آیا شما در امتحان قبول شدید؟

(ب) با کلمات زیر جمله بسازید:

آموزگار دبیر۔ دانشگاه۔ دبستان۔ دبیرستان۔

دانشکده۔ دانشکده علوم۔ رئیس دانشگاه۔ ثبت کردن۔ دیدن کردن

چہرے

لشکر اسلام کے سپہ سالار ڈاکٹر مصطفیٰ چمران کا یوم شہادت

۱۳۱۰ھ ش مطابق ۱۹۳۱ء کو تہران میں ایک ایسے بہادر اور ہونہار بچے کی ولادت ہوئی جس نے اپنے وجود سے معرکہ آرائی کی تاریخ کو غیر معمولی عظمت و سربلندی عطا کر دی۔

درحقیقت وہ شہید بزرگوار ڈاکٹر مصطفیٰ چمران کی شخصیت تھی جس نے عدیم المثال کارنامے انجام دیئے۔ ایران میں ابتدائی تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد یونیورسٹی میں داخل ہوئے اور یونیورسٹی کی تعلیم سے فراغت حاصل کرتے ہی وہ اعلیٰ تعلیم کی غرض سے امریکہ چلے گئے اور وہاں انھوں نے برکلی یونیورسٹی سے الیکٹرونکس میں ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کرلی۔

انھیں عرصہ دراز سے دشمنان اسلام کے خلاف جدوجہد اور نبرد آزمائی کا احساس تھا چنانچہ وہ مصر پہونچے اور وہاں چھاپہ مار جنگ کی ٹریننگ حاصل کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد وہ لبنان گئے اور وہاں امام موسیٰ صدر جیسے مجاہد عالم دین کے ہمراہ تحریک امل کی تشکیل میں ہمہ تن سرگرم ہوگئے۔ تحریک امل دراصل تحریک محرومین کی ایک فوجی شاخ تھی جس نے اسرائیل حکومت کے خلاف جنگی کارروائی کا عہد کر رکھا تھا۔ صیہونیوں کے خلاف ڈاکٹر مصطفیٰ چمران کی عظیم الشان مسلحانہ جدوجہد ایک ایسا موضوع ہے جس کا ہر عالم و جاہل کو اعتراف ہے۔ اور وطن سے دور اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف اس مرد عارف کی ۲۳ سالہ جدوجہد سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ راہ حق پر گامزن تھے اور الٰہی اقدار کی سربلندی کے لیے پوری طرح کوشاں تھے۔

انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد ڈاکٹر چمران ۲۲ بہمن ۱۳۵۷ھ ش یعنی فروری ۱۹۷۹ء کو وطن واپس آگئے۔ اور اپنے جملہ فوجی و انقلابی تجربات کو اسلامی انقلاب اور ملت اسلامیہ ایران کی خدمت میں پیش کر دیا۔

شہید چمران کو ایرانی دفاعی کاونسل میں امام خمینی کے نمائندہ کی حیثیت حاصل تھی اس کے علاوہ وہ ایرانی پارلیمنٹ کے ممبر بھی تھے۔ ان تمام بلند عہدوں پر فائز رہتے ہوئے بھی شہید چمران خود کو محاذ جنگ سے الگ نہیں رکھ سکے۔ کردستان میں انقلاب دشمن جماعتوں کے کنٹرول کے سلسلے میں انھوں نے نمایاں خدمات انجام دیں اور بعثی جنگ کے آغاز کے بعد محاذ جنگ کی تقویت اور دشمن کا مقابلہ ان کا خاص مشغلہ بن گیا۔ ان کی بے باکی اور بہادری کا چرچا ہمیشہ باقی رہے گا۔

مذہب اسلام کے اس باوفا مجاہد کی شہادت پر ملک کے نام جاری کیے گئے اپنے

شہید ڈاکٹر چمران جانبازان اسلام کے ہمراہ محاذ جنگ پر۔

تعزیتی پیغام میں امام خمینی نے ارشاد فرمایا۔
"عزیزی چمران پاک اور خالص اسلامی عقائد کے حامل تھے ان کا کسی سیاسی جماعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ جہاد جیسے عظیم مقصد کے لیے سرگرم عمل تھے انھوں نے جہاد کی راہ میں اپنی زندگی شروع کی اور اسی راہ میں اپنی زندگی ختم کردی ......
ہماری شہید پرور قوم ایسے عظیم سپاہی کے وجود سے محروم ہو چکی ہے جس نے لبنان اور ایران میں باطل کے خلاف اپنی شاندار جدوجہد کی مثال قائم کر دی باطل

کے مقابلے میں حق کی کامیابی اور اسلام کی سربلندی ہی ان کی زندگی کا محور تھی"۔

شہید چمران نے محاذ جنگ پر اپنے وجود سے سپاہیان اسلام کا حوصلہ بلند کر رکھا تھا۔ وہ اکثر محاذ جنگ پر اسلامی موضوعات پر تقریریں کیا کرتے تھے جس میں اکثر سپاہیان اسلام شریک رہا کرتے تھے۔ اپنی ایک تقریر میں سپاہیان اسلام کو خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر چمران نے ارشاد فرمایا تھا۔ "آپ لوگ اس بات کے گواہ تھے

> دشمن نے ہمارے اوپر اس وقت حملہ کیا تھا جب ایرانی فوج کسی جنگی کارروائی کے لئے آمادہ نہ تھی اور لوگ انقلاب کے دوران رونما ہونیوالی تباہیوں کی تلافی میں مصروف تھے۔

کہ دشمن نے ہمارے اوپر اس وقت حملہ کیا تھا جب ایرانی فوج کسی جنگی کارروائی کے لیے آمادہ نہ تھی اور لوگ انقلاب کے دوران رونما ہونے والی تباہیوں کی تلافی میں مصروف تھے کہ فوج دشمن نے ۱۲ مسلح فوجی دستوں کے ذریعہ ہمارے اوپر دھاوا بول دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہماری ۲۵۰۰ مربع کیلومیٹر زمین پر اپنا قبضہ جما لیا ہے لیکن مجھے اطمینان ہے کہ مستقبل قریب میں ہمارے جانباز سپاہی دشمن کو اپنے ملک کی سرحدوں سے نکال باہر کر دیں گے۔"

شہید چمران نے یہ بات اس زمانے میں کہی تھی جب حملہ آور بعثی فوج ایرانی شہروں پر اپنا قبضہ جمائے ہوئے تھی لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ سپاہیان ایران نے توفیق خداوندی سے نہ صرف یہ کہ حملہ آور فوج کو اپنے ملک کی سرحدوں سے باہر نکال دیا بلکہ انھوں نے عراق کے بہت بڑے علاقے کو بعثی چنگل سے نجات دلا دی ہے۔

لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ ان تمام کامیابیوں میں، شہید چمران جیسے ان تمام سپاہیان اسلام کا بہت بڑا ہاتھ ہے جنھوں نے حق کی راہ میں شہادت کو گلے لگا لیا۔ وہ لوگ اس وقت ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن آج سپاہیان اسلام اسی راہ پر ثابت قدم ہیں جس کی ان گرانقدر مجاہدوں نے کل نشاندہی کی تھی۔

۱۳۶۰ھ ش مطابق ۱۹۸۱ء میں شہید چمران نے صوبہ خوزستان کے دہلاویہ نامی شہر میں جام شہادت نوش فرمایا اور اس طرح ان کی دیرینہ خواہش پوری ہوگئی۔ امام خمینی کے قول کے مطابق "وہ ہمیشہ نور معرفت اور عشق الٰہی میں لگے رہے حق کی راہ میں جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور اسی راہ میں اپنی جان نچھاور کر دی۔ وہ سربلندی کے ساتھ زندہ رہے اور سربلندی کے ساتھ ہی درجہ شہادت پر فائز ہوگئے"۔

خداوند عالم ان پر اپنی خصوصی رحمت نازل فرمائے۔

اعلان نتیجہ

ماہنامہ "راہ اسلام"، شمارہ ۲۴ کے انعامی مقابلہ میں بہت سے برادران و خواہران اسلام نے شرکت فرمائی۔ مندرجہ ذیل حضرات انعام کے مستحق قرار پائے گئے۔

۱- مہدی حسن منیم
پورہ خواجہ۔ مبارک پور۔
ضلع اعظم گڑھ۔ یو پی۔ ۲۷۶۴۰۴
اول:- مبلغ ۱۰۰ روپے، ایک کتاب

۲- سید مشابد علی نقوی
رام پور
دوم:- مبلغ ۷۵ روپے ایک کتاب

۳- شیریں حسن
۸۶۷- ریڈگنج۔ فیض آباد۔ یو پی
سوم:- مبلغ ۵۰ روپے ایک کتاب

آخری قسط

از: سید مجتبیٰ موسوی لاری

تعدّد ازدواج

میں نے بہت سوچا مگر مجھے کوئی دلیل نہیں ملی کہ اگر کسی مرد کی بیوی مزمن مرض میں گرفتار ہو یا بانجھ ہو، یا عمل حمل و وضع سے عاجز ہو تو وہ بے چارہ دوسری عورت سے شادی کیوں نہ کرے؟ اس کا جواب کلیسا کو دینا چاہیے مگر کلیسا کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ بہترین قانون وہ ہوتا ہے جس کے سہارے زندگی کی سعادت محفوظ رہے نہ کہ وہ جس کی بدولت زندگی جہنم کا نمونہ بن جائے۔

میسز آنی بسنٹ MRS. ANIE BE SANT تحریر کرتی ہے: "مغرب کا دعویٰ ہے کہ اس نے "تعدد ازواج" کے قانون کو نہیں قبول کیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ بغیر ذمہ داری کے یہ قانون مغرب میں موجود ہے بایں معنی کہ مرد جب اپنی معشوقہ سے سیر ہو جاتا ہے تو اس کو بھگا دیتا ہے اور یہ بے چاری گلی کوچوں میں ماری ماری پھرتی ہے کیونکہ پہلا عاشق اپنی کوئی ذمہ داری محسوس ہی نہیں کرتا ہے اور عورت کی یہ حالت ہزار درجہ اس عورت کی حالت سے بدتر ہے جو قانونی شوہر رکھتی ہے بال بچے والی ہے، خاندان میں شوہر کے زیر حمایت زندگی بسر کر رہی ہے" میں جب ہزاروں عورتوں کو رات کے وقت سڑکوں پر حیران و سرگرداں دیکھتا ہوں تو مجبوراً سوچتا ہوں کہ اہل مغرب کو اسلام کے "تعدد ازواج" کے قانون پر ہرگز اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ جو عورت "تعدد ازواج" کے قانون کے ماتحت شوہر رکھتی ہے، گود میں چھوٹے چھوٹے بچے رکھتی ہے، اور نہایت احترام کے ساتھ شوہر کے خاندان میں زندگی بسر کرتی ہے وہ ہزاروں ہزار درجے اس عورت سے بہتر ہے جو گلی کوچے میں حیران و پریشان گھومتی ہے، گود میں ناجائز بچہ رکھتی ہے جس بچے کو کوئی قانونی حمایت حاصل نہیں ہے، جو دوسروں کی شہوتوں کے قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ چکی ہے۔

ڈاکٹر گوسٹاوے لیون DR.GUUTAVDEBON لکھتا ہے: مشرقی رسم و رواج میں "تعدد ازواج" کے مسئلے کو مغرب میں جس قدر غلط طریقے سے پیش کیا گیا ہے کسی بھی رسم کے بارے میں ایسا نہیں ہوا ہے۔ اور کسی بھی مسئلے پر مغرب نے اتنی غلطی نہیں کی ہے جتنی "تعدد ازواج" کے مسئلے پر کی ہے۔ میں واقعاً متحیر ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ مشرق کا "تعدد ازواج" کا مسئلہ مغرب کے "فریبی ازدواج" سے کس طرح کم ہے۔ اور اس میں کیا کمی ہے۔ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ "تعدد ازواج" کا شرعی مسئلہ ہر لحاظ سے بہتر و شائستہ ہے۔[12]

ف۱ حقوق زن در اسلام و اروپا۔ صفحہ 215
ف۲ اطلاعات ۱۱/۹/۳۵
ف۳ خواندنیہا شمارہ ۱۷، سال ۱۴
ف۴ کیہان ۳، ۱۲، ۳۸
ف۵ سروس مخصوص خبرگزاری فرانسہ اطلاعات ۱۲۲۳۹
ف۶ اطلاعات ۲۰ بہمن ۴۸ شمارہ ۱۳۱۶۔
ف۷ اطلاعات ۲۹/۸/۴۰۔
ف۸ اطلاعات ۳/۳/۴۹۔
ف۹ سورہ نساء آیت ۳۔
ف۱۰ سورہ نساء آیت ۱۲۲۔
ف۱۱ مجمع البیان جلد ۳ صفحہ ۱۲۱۔
ف۱۲ تمدن اسلام و عرب صفحہ ۵۲۶، ۵۲۷

●●●

قطعات

فوج کتنے ہی کرے ظلم وفا کہتے ہیں
گر کوئی ان کو سزا دے تو جفا کہتے ہیں
جنکو پیارا ہے رضاؔ اب بھی یزیدی کردار
بس وہی لوگ خمینی کو بُرا کہتے ہیں

ذاتِ باری پہ یقیں اپنے ارادوں میں اٹل
کربلا والوں کا کردار نظر آتا ہے
ہاں وہی کہتے ہیں سب لوگ خمینی جس کو
مجھ کو اس دور کا مختار نظر آتا ہے

وہ لوگ آج ظلم کے بانی کے ساتھ ہیں
اعلانِ حق کا جنکی زبانوں میں دم نہیں
آواز دے رہے ہیں یہ ایرانی منچلے
سرور کا غم ہے اور ہمیں کوئی غم نہیں

ناپاک زبانوں سے نہ لو نامِ حسینؑ
لوٹی ہوئی دولت سے محرّم نہ کرو
جن ہاتھوں سے باطل کی حمایت کی ہو
ان ہاتھوں سے شبیرؑ کا ماتم نہ کرو

رضا سرسوی

ایران کا انقلاب

امن واماں کا مژدہ ہے ایراں کا انقلاب
مہر و وفا کا جادہ ہے ایراں کا انقلاب
اس آئینے میں دیکھو یزیدانِ وقت کو
کرب و بلا کا جلوہ ہے ایراں کا انقلاب

ایمان کا شباب ہے ایراں کا انقلاب
"شیطاں" کا اضطراب ہے ایراں کا انقلاب
امریکہ و فرانس اور پھر روس کے طفیل
صدام پر عتاب ہے ایراں کا انقلاب

ملت کا اعتبار ہے ایراں کا انقلاب
اسلام کا وقار ہے ایراں کا انقلاب
میدانِ کارزار میں افواجِ کفر کو
حیدرؑ کی ذوالفقار ہے ایراں کا انقلاب

آوازۂ تکبیر ہے ایراں کا انقلاب
ایمان کی تنویر ہے ایراں کا انقلاب
آواز حق یہ آتی ہے اب ہر محاذ سے
اسلام کی تقدیر ہے ایراں کا انقلاب

دشمن پہ تیکھا وار ہے ایراں کا انقلاب
رنگین کی سخت ہار ہے ایراں کا انقلاب
دورِ سیاسیات میں علمائے دین کا
اک زندہ شاہکار ہے ایراں کا انقلاب

حیدر کی ہے دُعا یہی اے ربِّ ذوالکرام
محفوظ رہیں خلق میں علمائے حق تمام
سائے میں روح اللہ خمینی کے تا بہ حشر
اس انقلاب ایراں کو حاصل رہے دوام

حیدر رضوی گوپال پوری

حجۃ الاسلام والمسلمین

ہاشمی رفسنجانی

کا تہران میں

خطبہ نماز جمعہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ وعلیٰ آلہ الائمۃ المعصومین۔

عدل وانصاف کے متعلق بحث کرتے ہوئے جب ہم عورت ومرد کے درمیان عدل وانصاف نیز عورتوں اور مردوں کے اجتماعی حقوق کے موضوع پر پہونچتے ہیں تو معاشرے میں عورتوں کے کام کرنے کا مسئلہ بھی اس حیثیت سے پیش آتا ہے کہ یہ ایک بنیادی اجتماعی مسئلہ ہے۔ اس کے علاوہ اس عدل وانصاف کے بعد جس کی ہم پیروی کررہے ہیں اس مسئلہ کا معاشرے میں اقتصادی اور سیاسی پہلو بھی ہے۔ چنانچہ یہ مسئلہ جیسے جیسے واضح ہوتا چلا جائے گا اور ہمارا معاشرہ اس سلسلے میں اسلامی موقف کو بہتر طور پر سمجھتا جائے گا یہ مسئلہ اس ملک میں بھی اور آیندہ عالم اسلام میں بھی اس بنا پر کہ اس کا تعلق تمام اسلامی اقوام سے ہے مفید وموثر ثابت ہوگا۔

گذشتہ چند ہفتے کی بحث کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ دنیا میں اس وقت جو بھی کام اور مشاغل موجود ہیں وہ اسلام کی نظر سے عورتوں اور مردوں کے لئے جائز اور مباح ہیں اور یہی کام کبھی واجب ہوتے ہیں اور کبھی مستحب۔ ہم نے یہ بھی کہا تھا کہ کچھ عہدے ایسے بھی ہیں جنھیں اسلام نہیں چاہتا کہ خواتین اختیار کریں۔ کیوں کہ وہ کام نہیں بلکہ ذمہ داری ہیں۔ ایسی ہی ذمہ داریوں میں فتوے صادر کرنا، مسند عدالت سے فیصلے جاری کرنا اور ابتدائی جہاد میں حصہ لینا وغیرہ شامل ہیں۔ دوسری بات جو قابل توجہ ہے وہ کسی معاشرے کے انتظامی امور کی مرکزیت ہے اور چونکہ اس میں بھی فتوے کا پہلو پنہاں ہے اسی لئے یہ کام کبھی خواتین کے لئے مناسب نہیں مثلاً ولایت فقیہ کے مسئلے کو ہی لے لیجئے اگرچہ ولایت فقیہ کی ذات محض ایک فقیہ کی ہے مگر درحقیقت وہ پورے شیعہ فرقہ کے افکار وخیالات پر حاکم و غالب ہے اور جتنے بھی احکام صادر ہوتے ہیں وہ سب اسی کی فروعات ہیں۔ اسی بنا پر ہم اس رائے کے حامی ہیں کہ خواتین کو فتاویٰ جاری کرنے کا حق نہیں۔ یعنی معاشرے کا یہ بنیادی عہدہ خواتین کے لئے نہیں لیکن وہ دوسری تمام چیزیں جو اس سے ماخوذ ہیں۔ ان میں کوئی اختلاف نہیں وہ خواتین اور مرد دونوں کیلئے ہی ہیں۔ اور ان کا تعلق ذاتی صلاحیت نیز وقت کے تقاضے سے ہے۔

ہمارے ملک میں اکثر وبیشتر خاندانوں کا ماحول اس طرح کا ہے جس میں انتظامی امو سے متعلق ذمہ داریاں مردوں ہی کے کندھوں پر ہوتی ہیں۔ یعنی رہنے کیلئے مکان، پہننے ک لئے لباس، کھانے کے لئے سودا سلف اور دو دارو جیسی ابتدائی ضروریات فراہم کرنا مردو ہی کی ذمہ داری ہے۔ اور اس معاملے میں خواتین پر کوئی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ کام مردوں ہی ک کرنے کے ہیں۔

اگر خاندان کی تشکیل کا مطالعہ کیا جائے تو اُن کے ماحول میں یہ بات نمایاں طور پر نظر آئے گی کہ عورتوں کو یہ اہم ترین ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ اجتماعی سطح پر مردوں کی معاون ومددگار ثابت ہوں۔ انسانی فطرت بھی اسی کی متقاضی ہے اور انسانی تاریخ نے بھی اسی کے مطابق پیش رفت کی ہے۔ چنانچہ

اسلام نے بھی اس امر کی تائید کی ہے کہ بقائے نسل جو بنی نوع انسان کا اہم ترین مسئلہ ہے اور جس میں بنیادی ترین انسانی زندگی کا رمز پنہاں ہے مردوں سے زیادہ عورتوں کے سپرد کیا گیا ہے۔

کسی عورت کو خاندان کی اجتماعی زندگی میں یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے ناز و نخوت کے باعث حاملہ ہونے سے انکار کر دے۔ یہ ایک ذمّہ داری ہے جو اُسے انجام دینی ہی چاہیئے۔ اسی طرح جس زمانے میں عورتیں اپنے بچّوں کو دودھ

> اگر خواتین صاف ستھرے شہری ماحول میں تعلیم حاصل کریں، مسائل کو اچھی طرح سمجھیں، بچے اور معاشرے کی تربیت نیز اجتماعی مصلحتوں کا بخوبی ادراک کریں تو آنے والی نسل جب انکے ھاتھوں تربیت پاکر نکلے گی تو وہ بہت زیادہ قابل عزّت و احترام سمجھی جائے گی۔

پلا رہی ہوں تو وہ شِیر بہا کا مطالبہ کر سکتی ہیں اور شوہر کے لئے لازم ہے کہ وہ اُسے ادا کرے۔ اگر کسی بچّے کو دودھ پلانے کی ضرورت ہو تو وہ شیر بہا وصول کر کے دودھ پلا سکتی ہے اور اگر کہیں بچّے کی غذا کا انحصار ہی محض دودھ پر ہو تو عورت کا فرض ہے کہ اُسے دودھ پلائے۔ ایسی صورت میں دودھ پلانا اس کیلئے قطعی فرض ہے۔

کوئی معاشرہ اس دور میں جس سے ہم گذر رہے ہیں اپنی عورتوں کو اس بات کیلئے مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ گھر کی چار دیواری میں رہ کر ہی کام کریں۔ اب چونکہ گھروں میں اتنا کام نہیں کہ وہ اسے ہی کرتی رہیں۔ اسی لئے اگر وہ گھر سے باہر کام کرنا چاہیں تو مردوں کو اس بات سے اتفاق کرنا چاہیئے کہ وہ باہر کام کریں بشرطیکہ ماحول سازگار ہو۔ اگرچہ کام کرنے کے لئے بہت سے وسیع میدان ہیں مگر عورتوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے اصل فرائض کو ضرر نہ پہنچائیں۔ مثلاً کوئی عورت سرکاری ملازمت کرتی ہے مگر وہ اپنے بچّے کی درست تعلیم و تربیت نہیں کر سکتی تو یہ سراسر نقصان ہے۔ یہ خسارہ معاشرہ کے لئے بھی ہے اور خود اس کے لئے بھی۔ اگر کوئی عورت کہیں کام کرتی ہے تو اُسے چاہیئے کہ امورِ زندگی کو اس طرح مرتّب کرے کہ وہ اپنے بچّے کی بھی دیکھ بھال کر سکے۔

معاشرے کی ہدایت و رہنمائی میں خواتین کا کردار

جز وقتی کام (PART TIME JOB) کا قانونی مسوّدہ ایران کی مجلس نے منظور کیا ہے۔ وہ اس کے بنیادی کاموں میں سے ایک تھا اور ان بنیادی کاموں میں سے ایک ہے جسے انجام دیا جانا ہی چاہیئے تھا۔ یعنی خواتین کو معاشرے میں آگے بڑھنے کا موقعہ دیا جانا چاہیئے تاکہ خانہ داری کے اصل فرائض کو انجام دیتے ہوئے وہ گھر سے باہر بھی کام کر سکیں۔ اس کے ساتھ ہی تحصیلِ علم ہی وہ بہترین ذریعہ ہے جسے خواتین کے لئے ہمیں نظر میں رکھنا چاہیئے۔ البتہ بعض حالات میں یہ بھی ممکن ہے کہ خواتین خاص شعبوں میں تحصیل علم کریں اور معاشرہ اس بات کو برداشت کرے کہ علوم و فنون کے بعض شعبوں میں اوّلیت مردوں کو دی جانی چاہیئے۔ اگرچہ یہ کوئی اسلامی حکم نہیں بلکہ کام کی مہارت کا تقاضہ ہے اور

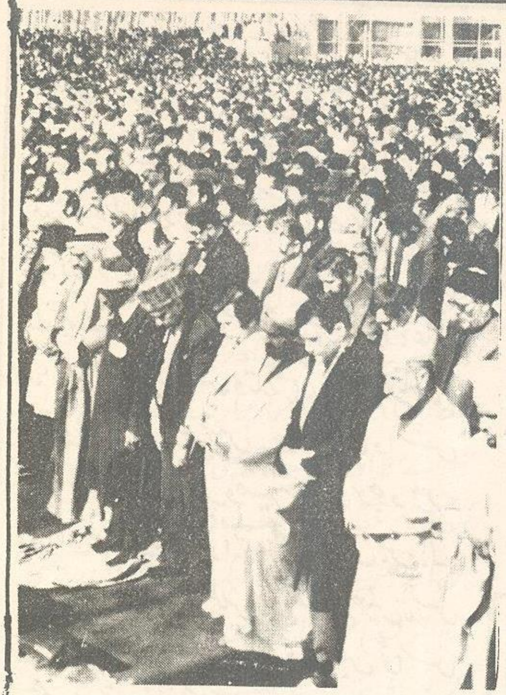

تہران میں نماز جمعے کا ایک منظر

معاشرے میں مصلحت بھی اسی امر کی متقاضی ہے۔

اسلام کا حکم تو یہ ہے کہ جو شخص جس قدر علم حاصل کرنا چاہے اسے حاصل کرنے دیں۔ اگر تمام خواتین اعلیٰ تعلیم حاصل کریں تو ایک دن وہ آئے گا جبکہ آئندہ نسلیں خوب تربیت یافتہ ہوں گی۔ اگر خواتین صاف ستھرے شہری ماحول میں تعلیم حاصل کریں، مسائل کو اچھی طرح سمجھیں، بچّے اور معاشرے کی تربیت نیز اجتماعی مصلحتوں کا بخوبی ادراک کریں تو معاشرے میں یقیناً قابل قدر ترقی ہو گی اور آنے والی نسل جب ان کے ہاتھوں تربیت پاکر نکلے گی تو وہ بہت زیادہ قابل عزّت و احترام سمجھی جائے گی۔ کیوں کہ اس کی بنیاد تعلیم یافتہ خواتین کے ہاتھوں رکھی گئی ہے۔

ہمیں چاہیئے کہ ایسے حالات پیدا کریں کہ عورتیں تعلیم حاصل کریں۔ ایسے بہت سے کام ہیں جنھیں خواتین اگر مردوں سے بہتر انجام نہیں دیں گی تو وہ ان سے کسی طرح پیچھے بھی نہ رہیں گی۔ بطور

مثال مدارس میں درس وتدریس کے کام کو ہی لیجئے۔ اس میدان میں ان خواتین نے جن کی درست تربیت ہوئی ہے (اور جن کا دامن گذشتہ معاشرہ کی آلودگیوں سے پاک ہے) ثابت کردیا ہے کہ وہ اس کام میں خاص طور پر ابتدائی ادوار کے بہت زیادہ مفید وکارآمد ہیں۔ اگر وہ عالی مدارج میں بھی درس وتدریس کا کام کرنا چاہیں تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے اسوقت دانش گاہوں میں متعدد پروفیسر خواتین موجود ہیں اور ان میں سے کچھ تو اتنی اچھی مدرس ہیں، کہ ان سے تمام شاگرد مطمئن ہیں کیونکہ انھیں تدریس کے کام سے دلچسپی ہے اور اگر وہ چاہیں تو اس سے بھی اونچے درجے کی کلاسوں کو درس دے سکتی ہیں۔

دوسرا خطبہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی علی امیر المؤمنین وعلی الصدیقۃ الطاہرۃ وعلی سبطی الرحمۃ وعلی ابن الحسین ومحمد بن علی وجعفر بن محمد وموسی بن جعفر وعلی بن موسی ومحمد بن علی وعلی بن محمد والحسن بن علی والخلف الہادی المہدی (ع)

"لبیک یا امام" کے تحت عنوان مذاکرہ

آج کا اہم مسئلہ

دوسرا موضوع جس کے متعلق ہم یہاں گفتگو کریں گے وہ مذاکرہ تھا جو "لبیک یا امام" کے زیر عنوان منعقد ہوا اور اس میں صوبوں کے مراکز سے آئے ہوئے ائمہ اور صوبہ داران نے شرکت کی۔ یہ موضوع بھی بہت زیادہ اہم ہے اور مجھے امید ہے کہ مستقبل قریب میں اس مذاکرہ کے اثرات کو اپنے معاشرے اور میدان جنگ میں ہم محسوس کریں گے۔

اس مذاکرے کا قیام امام خمینی کی گفتگو کے بعد عمل میں آیا۔ یہ اس دن کی بات ہے جب کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ کا یوم ولادت منایا جارہا تھا۔ اس روز امام خمینی نے جس نظریے کا اظہار کیا اس پر اس سے قبل انہوں نے کبھی اس قدر زور نہیں دیا تھا۔

موصوف نے فرمایا کہ: جو شخص جنگ کرنے کی استعداد و اہلیت رکھتا ہے اُسے چاہیئے کہ خود کو فوجی تربیت گاہ کے مرکز میں پیش کردے اور جن لوگوں میں جنگ کرنے کی طاقت و توانائی نہیں ہے انھیں چاہیئے کہ جنگ کو تقویت دینے کے لئے جو بھی کام کرسکتے ہیں وہ اُسے انجام دیں۔

> جو شخص جنگ کی استعداد و اہلیت رکھتا ہے اسے چاہئے کہ خود کو فوجی تربیت گاہ کے مرکز میں پیش کردے اور جن لوگوں میں جنگ کرنے کی طاقت و توانائی نہیں ہے انہیں چاہئے کہ جنگ کو تقویت دینے کیلئے جو بھی کام کرسکتے ہیں وہ اسے انجام دیں۔

اگرچہ اس سے قبل بھی امام خمینی نے اس قسم کی گفتگو کی تھی مگر اس وقت موصوف نے اسے اس قدر وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان نہیں فرمایا تھا اور ان کا یہ فرمانا بغیر کسی سبب کے ہو ہی نہیں سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ الفاظ اس الہام الٰہی کا نمونہ ہیں جو کبھی کبھی ان کی زبان پر بحکم خداوندی سے جاری ہوجاتے ہیں۔ جنگ کے متعلق جو اطلاعات ہمیں مل رہی ہیں اور دنیا کی اس وقت جو کیفیت ہے۔ اس کی روشنی میں اگر ہم امام خمینی کے اس قول پر غور کریں اور اس کی گہرائی کا حساب لگائیں تو ہر شخص یہی سوچے گا کہ تقریر کے دوران یہ جملہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے ان کی زبان پر اس غرض سے جاری ہوا ہے کہ لوگ اپنی راہ کا خود انتخاب کریں چنانچہ یہ مذاکرہ امام خمینی کے اس قول یا ان کے اس حکم کو منظم کرنے کی خاطر منعقد کیا گیا ہے۔

گذشتہ ہفتہ سے قبل جو فوجی کارروائی ہوئی تھی اس نے اور خاص طور پر جنگی کارروائی والفجر ۸ نے بہت سے حالات وواقعات کو تبدیل کردیا ہے۔ اس منطقے کے باہر جو لوگ صدام کے حامی و طرفدار ہیں ان کا خیال تھا کہ اب جنگ کیلئے تمام راہیں مسدود ہوچکی ہیں اور اس کا حل فوجی عمل کے ذریعے نہیں نکل سکتا۔ مگر اس کارروائی کے بعد ان لوگوں کے نظریات میں یکسر تبدیلی آگئی ہے اور جو لوگ اپنے اس بنیادی نظریے کو بالکل تبدیل نہیں کرسکے ہیں ان کے خیالات میں کم از کم تردد تو پیدا ہو ہی گیا ہے۔ ہمارے دنیا سے جو روابط و تعلقات ہیں اُن سے ہم ان مسائل کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اب تمام دنیا اچھی طرح سمجھ گئی ہے کہ یہ بات درست نہیں کہ جنگ کے ذریعے فوجی فتح حاصل نہیں ہوتی جس وقت خلیج فارس کے علاقے میں صدام کی شر انگیزیاں جاری تھیں جمہوری اسلامی ایران نے اُسے تنبیہ کی اور اُسے اس کی شر انگیزی سے روکنا چاہا اور جب وہ اپنی حرکات سے باز نہیں آیا تو جمہوری اسلامی نے بھی اس کی دست درازی کو روکنے کا فیصلہ کرلیا تو اس نے مشکل ترین محاذ جنگ تک فتح وکامرانی حاصل کی اور شط العرب کو بھی پار

کر لیا جس علاقے پر اسلامی افواج نے قبضہ کیا ہے اس کے متعلق صدام کا خیال تھا کہ وہ اسے تین دن میں دوبارہ حاصل کر لے گا مگر تقریباً دو ماہ سے اس پر اسلامی افواج کا قبضہ جاری ہے اور ان کی پیشانی پر شکن تک نہیں اس واقعے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس جنگ میں فوجی فتح بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے ہمیں کوئی دلیل و برہان پیش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ حکماء کا قول ہے کہ کسی چیز کے وقوع پذیر ہونے کی محکم ترین دلیل یہ ہے کہ وہ چیز خود موجود ہو۔ چنانچہ جو واقعہ رونما ہو چکا ہے وہ فتح و کامرانی کی روشن دلیل ہے اور اس دلیل کی بنیاد پر ہمارے نوجوان محاذ جنگ پر پہنچ گئے اور انہوں نے آسانی سے فاؤ پر قبضہ کر لیا وہ نہ صرف فاؤ بلکہ بصرہ پر بھی قبضہ کر سکتے ہیں۔ وہ اس کی شاہراہ پر بھی قابض ہو سکتے ہیں اور بغداد میں بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ ان کے لئے کسی جگہ پہنچ جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ان شہروں کے لوگ آج بھی ویسے ہی ہیں جیسے کل تھے۔ عراقیوں کی حالت آج گزشتہ سے بہتر ہے۔ اور ساری دنیا نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ اس جنگ میں عراقیوں نے کافی نقصان اٹھایا ہے اور ان کے عمدہ ترین دستوں کو سخت ترین نقصان پہنچا ہے اور اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جنگ کے ذریعہ فوجی فتح بھی حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ یہ فتح بھی ایران کو ہی حاصل ہوئی ہے اور یہ بات ایسی واضح و روشن ہے جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

ہم روز اول سے یہ بات کہتے چلے آ رہے ہیں کہ عراق اپنے پیروں پر کھڑا نہیں رہ سکتا۔ صدام کا وجود اس کٹھ پتلی کی طرح ہے جسے ہر طرف سے ڈوریوں کے ذریعے باندھ کر فضا میں معلق رکھا گیا ہے اگر کسی طرف سے کوئی ڈوری کٹ جائے گی تو اس کا توازن بھی بگڑ جائے گا۔ دنیا کی بڑی طاقتوں نے اس کے گرد جو ڈوریاں باندھی تھیں ان کے بل اب بوسیدہ ہو چکے ہیں۔ اور وہ دن دور نہیں جبکہ اس کے گرد بندھی ہوئی تمام ڈوریاں ٹوٹ کر گر جائیں گی۔ اس وقت بھی وہ ایک ہی ڈوری سے اٹکا ہوا ہے اور وہ ہے اس منطقے کی رجعت پسندی۔

اس منطقے کی رجعت پسند طاقتیں کبھی بھی جمہوری اسلامی ایران کی ہتک کرنے سے بھی گریز نہیں کرتیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سمجھتی ہیں کہ ان کی قسمت صدام کی قسمت سے وابستہ ہے در آنحالیکہ یہ بات حقیقت سے بعید ہے۔

ہم روز اول سے یہ بات کہتے چلے آرہے ہیں کہ عراق اپنے پیروں پر کھڑا نہیں رہ سکتا۔ صدام کا وجود اس کٹھ پتلی کی طرح ہے جسے ہر طرف سے ڈوریوں کے ذریعے باندھ کر فضا میں معلق رکھا گیا ہے اگر کسی طرف سے کوئی ڈوری کٹ جائے گی تو اس کا توازن بھی بگڑ جائے گا۔

ایران متمنی ہے کہ اس منطقے میں امن برقرار رہے

اب آپ اسی وقت سے مخالفین کے بارے میں غور کیجئے۔ ہم نے جو بات بطور نصیحت کہی تھی اسے لوگوں نے دھمکی سمجھا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ حق و صداقت کی جانب متوجہ ہوتے لیکن اس کا کیا علاج کہ وہ گمراہ ہونے پر بضد ہیں اور ان کی اس گمراہی میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہو گیا ہے چنانچہ اب وہ ایران کی ہتک اور اہانت پر اتر آئے ہیں۔ صرف اپنی مجالس ہی میں نہیں، بلکہ اپنے روزنامہ اخبارات اور ریڈیو کے ذریعے سے بھی اس حرکت سے باز نہیں آتے۔ لیکن ہم اب تک صبر کئے ہوئے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ صبر کا دامن ہمارے ہاتھ سے نہیں چھوٹے گا اور ہم آئندہ بھی صبر کرتے رہیں گے کیونکہ ہم جنگ کو وسعت دینے کے حق میں نہیں ہیں اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ اس منطقے میں بدامنی پیدا کریں۔ اس علاقے میں امن قائم رکھنا ایران کے لئے دوسروں کے مقابلے کہیں زیادہ اہم ہے اور یہ بھی بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ آپ لوگ بھی دوسرے تمام افراد کے مقابلے میں سب سے زیادہ اس بات کے متمنی ہیں کہ اس منطقے میں امن قائم ہو۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ہم سے بلا وجہ خوف زدہ ہیں۔ شاید انہوں نے خود یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں لیکن اس بات سے ہمارا کوئی تعلق نہیں یہ ان کا اپنا معاملہ ہے۔

اب عرب ممالک ہی کو لے لیجئے یہ چار عرب ملک جنہوں نے "اتحادیہ عرب" کے نام سے انجمن بنائی ہے سر جوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور ایران کی مذمت کرنے لگتے ہیں۔ ان کے مذمت کرنے سے ہوتا کیا ہے؟ کیا ہم مصر، اردن، مراقش کے حسن اور اسی قسم کے دیگر ممالک کی رائے سے ڈرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنی زبان سے ہماری مذمت کرتے ہیں تو کیا ان کا یہ فعل ہمارے لئے باعث ننگ و رسوائی ہے؟

وہ لوگ اگر ہماری مذمت کرتے ہیں تو یہ

ہمارے لئے باعث مسرت ہے البتہ اگر وہ ہماری تعریف کریں تو یہ یقیناً ہمارے لئے معیوب بات ہوگی کیونکہ جو ہاتھ اسرائیل کی جانب دراز ہو رہا ہے اور اس سے دوستی کرنا چاہتا ہے اگر وہی ہاتھ جمہوری اسلامی کی جانب سے بڑھے تو یہ بات ہمارے لئے موافق و سازگار نہ ہوگی اور ہم جانتے ہیں کہ وہ ہماری جانب رُخ نہیں کریں گے اور ہم سے دوستی بھی نہ کرنا چاہیں گے۔

دوسری جانب انہوں نے ہمیں اوپیک کے ذریعے ذلیل و رسوا کرنا چاہا ہے خود تو ڈوب ہی رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے ساتھ ہمیں بھی لے ڈوبیں۔ چنانچہ وہ اپنے تیل کی قیمت فی بیرل اٹھائیس ڈالر سے گرا کر دس بارہ ڈالر تک تو لے ہی آئے ہیں اور اوپیک کی حالیہ کانفرنس میں انہوں نے مزید یہ بہانہ تراشا ہے کہ عراق نے اعلان کیا ہے کہ وہ اپنے تیل کی پیداوار میں دس فیصدی اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ اچھا بھئی اب یہ تیری مرضی کہ تو چاہے تو اپنے تیل کی قیمت میں ۵۰ فیصدی کمی کرے یا ۶۰ فیصدی۔ اس کے بعد اگر تو تیل کی پیداوار میں دس فیصدی اضافہ کرنا چاہے گا تو اس سے تیرا خسارہ تو پورا ہونے سے رہا۔ اگر ۵۰ فی صد تخفیف کی بجائے ۱۰ فیصد اضافے سے چشم پوشی کی جاتی تو کوئی معقول بات ہوتی۔ مگر یہ واضح و روشن منطق ان کے فہم سے بالاتر ہے اور یہ لوگ اس قدر نادان واقع ہوئے ہیں اور خود کو اتنا بدنام کر چکے ہیں کہ انھیں اپنی اقوام تک سے شرم نہیں آتی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوپیک اپنے جلسے میں کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکی اب انشاء اللہ جلدی ہی دوسری اقوام ان پر آہستہ آہستہ اپنا دباؤ ڈالیں گی اور اگلی نشست میں کسی نتیجے پر پہنچ سکیں گی یہ رجعت پسند عرب اس منطقے میں بہت نازیبا حرکات کر رہے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہم انھیں متنبہ کئے دے رہے ہیں۔

> امام خمینی نے کہا ہے کہ آپ لوگ جنگ کے لئے آمادہ رہیئے۔ محاذ جنگ پر جائیے اور محاذ کی پچھلی صفوں کو مضبوط کیجئے اس بات کا امکان ہے کہ دشمن پھر شرارت کرے۔

امام خمینی نے جو یہ کہا ہے کہ آپ لوگ جنگ کے لئے آمادہ رہئیے۔ محاذ جنگ پر جائیے اور محاذ کی پچھلی صفوں کو مضبوط کیجئے۔ وہ اسی خطرے کے پیش نظر انہوں نے فرمایا ہے کہ: کسی کو تنبیہ کرنے کا بھی ایک خاص وقت ہوتا ہے ہم نے تو کچھ عرصے تک صبر کر لیا مگر دشمن صبر نہیں کرے گا اس بات کا امکان ہے کہ دشمن پھر شرارت کرے جو دشمن اوپیک کی نشست، میدان جنگ میں ہم پر کاری ضرب لگانے یا اپنے آقاؤں کے حکم کی تعمیل کرنے کی خاطر خود اپنا ہی گلا کاٹ سکتا ہے اس سے اس بات کی بھی توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ آئندہ ایسی ہی وحشت و دیوانگی کی باتیں کرے۔

اس وقت دنیا کے حالات، اس منطقے کی وضع و کیفیت اور جنگ کی صورت حال اس بات کی متقاضی ہے کہ ہم ہر پہلو سے آمادہ اور تیار رہیں اگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہماری کسی تنبیہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور ہمارا کوئی مذاکرہ، پیغام یا ٹیلی فون کرنا بے سود ہے تو ہم ہمیشہ صبر کر کے تو بیٹھ نہیں سکتے۔ اس لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا اور ہمیں امید ہے قوم کی مدد، سپاہ، فوج اور رضا کاروں کی قربانی سے جنگ کی مشکل جلد ہی حل ہو جائے گی انشاء اللہ۔ ●●

مبلغ اشتراک

ماہنامہ راہِ اسلام

شرح خریداری: فی پرچہ — مبلغ تین روپے

چھ ماہی: — مبلغ پندرہ روپے

سالانہ: — مبلغ تیس روپے

رقم خریداری: — بذریعہ منی آرڈر مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال فرمائیں

ڈائرکٹر ایران کلچر ہاؤس ۱۸۔ تلک مارگ۔ نئی دہلی ۱

بقیہ: اداریہ

خداوندی کرنے والے، خوفِ خدا میں گریہ وزاری کرنے والے، انسانی فضائل وشرف کے حصول کی کوشش کرنے والے مسلمانوں کے سماجی اور سیاسی معاملات کی گہری اطلاع رکھنے والے اور دنیا میں خدا کے اس مقدّس دین کی تڑپ رکھنے والے لوگوں کے لئے یہ کوئی دشوار کام نہیں ہے۔ ان

ماہِ رمضان ان لوگوں کیلئے مقابلے کا میدان ہے جو جہاد اکبر کے محاذ پر آغازِ صبح سے لیکر غروب آفتاب تک اپنے پروردگار کی بندگی میں مصروف رہتے ہیں

حقائق کی روشنی میں امام خمینی ارشاد فرماتے ہیں "بیت المقدس مسلمانوں کی ملکیت ہے۔ یہ انھیں واپس ملنی چاہئیے"، ایک جگہ قدس کی عظمت و اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے اِمام خمینی کہتے ہیں۔ "یوم قدس ایک عالمی دن ہے، اس دن کو صرف قدس سے خصوصی نسبت دینا مناسب نہیں بلکہ یہ ظالموں سے مظلوموں اور پسماندہ لوگوں کے مقابلے کا دن ہے۔ اس دن دنیا کے تمام کمزور اور پسماندہ لوگوں کو ظلم سے مقابلے کی پوری تیاری کرنی چاہئیے تاکہ وہ ظالموں کی ناک رگڑ دیں۔ یہ وہ اہم دن ہے جو مومن اور منافق کے درمیان موجود فرق کو واضح کردے گا۔ صاحبِ ایمان افراد اس دن کو یومِ قدس کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اپنے فرائض پر بخوبی عمل کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف بڑی طاقتوں سے درپردہ آشنائی رکھنے والے منافقین اور اسرائیل سے دوستی رکھنے والے نام نہاد مسلمین یوم قدس سے اپنی بے توجہی کا اظہار کرتے ہیں اور ملّتِ اسلامیہ کو اسلامی مظاہروں کے اہتمام کی اجازت نہیں دیتے۔ یومِ قدس پسماندہ اقوام عالم کی قسمت کے فیصلے کا دن ہے لہٰذا پسماندہ و کمزور اقوام عالم کو چاہئیے کہ وہ اس موقع پر بڑے ظالموں کے مقابلے میں اپنے وجود کا اعلان کریں۔

یوم قدس وہ اہم دن ہے کہ جس میں ہم سب کو بیت المقدس کی آزادی کی فکر کرنی چاہئیے تاکہ مظلومی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے لوگوں کو آزادی حاصل ہوسکے۔ اس دن ہمیں دنیا کے تمام کمزور و پسماندہ مظلوموں کو ظالم کے چنگل سے نجات دلانے کی فکر کرنی چاہئیے۔ یومِ قدس کے موقع پر ہمیں تمام بڑی طاقتوں کو یہ وارننگ دے دینی چاہئیے کہ وہ مستضعفین پر کئے جانے والے مظالم سے دستبردار ہوجائیں اور اپنے کام سے کام رکھیں۔ یومِ قدس کے موقع پر ہمیں دنیا والوں کو اس حقیقت سے باخبر کردینا چاہئیے کہ اسرائیل بشریت کا جانی دشمن ہے اسی لئے یہ ہر روز انسانیت سوز حرکتیں کرتا رہتا ہے اور جنوبی لبنان و دیگر مقامات پر ہمارے بیگناہ بھائیوں کا قتل عام کرتا رہتا ہے"۔

درحقیقت دوسری عالمی جنگ کے اہتمام کے ذریعہ بین الاقوامی صہیونیت کا مقصد محض ایک چھوٹے سے ملک اسرائیل کی تشکیل نہ تھا بلکہ یہ خطرناک اسلام دشمن منصوبے کا ایک مختصر حصّہ تھا۔ تمام لوگ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ بین الاقوامی صہیونیت کا منظم منصوبہ کم از کم دریائے نیل سے دریائے فرات تک کے تمام علاقوں پر اپنا قبضہ جمانا ہے۔ اس طرح صہیونیت کا ارادہ ہے کہ تیل کے عظیم ذخائر پر قبضہ کرکے وہ ایک عظیم یہودی مملکت کا خواب پورا کرلے اور ایک انتہائی خوفناک بڑی طاقت کی حیثیت سے ساری دنیا پر اپنی حکومت قائم کرلے اور ساری دنیا پر لوٹ مار وقتل وغارتگری کا بازار گرم کردے۔ اپنی صہیونی سیاست کو عملی جامہ پہنانے کے لئے صہیونیت کے سامنے جو مراحل ہیں انھیں مختصر لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے۔

۱۔ صہیونیت نے اپنی انسانیت سوز سیاست کے پہلے مرحلے میں فوجی حملہ وقتل وغارتگری کے ذریعہ سرزمین فلسطین کے ایک حصّے پر اپنا قبضہ جما لیا اور چند برسوں کے بعد امریکہ اور اسکے دوستوں کی براہِ راست حمایت اور روس کی بالواسطہ سرپرستی کے ذریعہ وہ اس علاقہ میں پوری طرح ثابت قدم ہوگئی اور ٹھیک اس وقت جب جمال عبدالناصر اپنی (PAN ARABISM) سیاست کے سایہ میں اسرائیل سے مقابلے کیلئے تمام عرب ملکوں کو متحد کرنے کی کوشش میں ہمہ تن سرگرم تھے صہیونیت نے سنہ ۱۹۶۷ء میں اپنے وسیع حملے کے ذریعہ مصر لبنان اور اردن کے بہت بڑے علاقے پر قبضہ کرلیا اور

اسلام صرف عبادت اور عرفانی ترقی کا متقاضی نہیں بلکہ یہ سیاسی اور سماجی وقار کی حفاظت و بحالی کا بھی مطالبہ کرتا ہے

بیت المقدس کو بھی پوری طرح غصب کر لیا! اسی طرح ۱۹۸۲ء میں اس نے لبنان پر پھر دھاوا بول دیا اور اس اسلامی ملک پر قبضہ قائم کر کے اس نے اپنی وسعت پسند سیاست کو عملی جامہ پہنا دیا۔

۲۔ فوجی کارروائی کے ذریعہ اسلامی ممالک پر قبضے کی خواہش رکھنے والی اسرائیلی حکومت کے پاس فوجی طاقت کی کمی تھی۔ اس کے اسرائیلی فوجیوں میں جنگی حوصلے کا بھی فقدان تھا۔ لہٰذا اپنے شرمناک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نے دوسری ترکیب نکالی۔ اور علاقے کے سربراہان مملکت کو شرمناک سازش کے جال میں پھنسا کر اس نے صہیونی تسلط کی اشاعت کا کام انجام دینا شروع کر دیا۔ اس سازش کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ علاقے کے سربراہان

اطمینان رکھیئے
اگر آپ لوگوں نے
ایسی ہی
سستی اور کاہلی کا مظاہرہ
جاری رکھا تو صیہونی ظالم
دریائے فرات تک پہونچنے
کا ارادہ رکھتے ہیں

مملکت آہستہ آہستہ اسلام دشمن اسرائیلی حکومت سے صلح کے لئے آگے بڑھنے لگے۔ واضح رہے کہ امت اسلامیہ صہیونیت کی وسعت پسند سیاست کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ رہی ہے لہٰذا صہیونی سازش کے نتیجے میں اکثر عربی ممالک کے سربراہ اپنے کندھوں پر اسرائیل کی مخالفت کا پرچم بلند کرتے ہوئے یہ ڈھونگ رچانے لگے کہ ہم بیت المقدس کی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس تظاہر کا مقصد یہ تھا کہ ان کے ملک کے مسلمانوں کے درمیان

ہم سب ملکر جائیں گے اور بیت المقدس میں نماز پڑھیں گے۔ انشاء اللہ ۔ (امام خمینی)

اسرائیل کے خلاف نفرت و بیزاری کی بھڑکتی ہوئی آگ ٹھنڈی پڑ جائے۔ صرف یہی نہیں بلکہ قدس کی آزادی کا مطالبہ کرنے والے مسلمانوں سے یہ کہا گیا کہ تم لوگ خاموش رہو اور اسرائیل کیخلاف جدوجہد کی ذمہ داری حکومت کے سپرد کر دو۔ عوام کو اس جدوجہد کی الجھن میں نہ پڑنا چاہئیے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے سنہ ۱۹۷۹ء میں اسلامی کانفرنس نامی تنظیم کی تشکیل کی گئی۔ صرف یہی نہیں بلکہ فلسطینی عوام سے بھرپور حمایت و ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے اور ان کے وطن کی آزادی کا نعرہ بلند کرتے ہوئے قدس کمیٹی اور قدس فنڈ جیسے اداروں کی تشکیل بھی عمل میں آگئی۔ دوسری طرف اسرائیلی حکومت خاموش نہیں بیٹھی بلکہ وہ علاقے کے بعض عرب حکمرانوں سے سازش کر کے فلسطینی عوام کے مجاہدانہ جذبات کو ٹھنڈا کرنے میں مصروف ہو گئی۔ اسکے بعد علاقے کی حکومتوں نے ایسے عملی اقدامات کئے کہ تنظیم آزادئ فلسطین کو فلسطینی مظلوموں کا واحد ترجمان شمار کیا جانے لگے۔ اس کے بعد ان سربراہان مملکت نے اس تنظیم پر گہری چوٹ لگا کر اس سے اسرائیل کے خلاف جدوجہد کی صلاحیت چھین لی۔ جارڈن میں فلسطینی عوام کا قتل عام اور وہاں سے ان مظلوموں کا اخراج: بیروت میں تنظیم آزادئ فلسطین کے لیڈروں کا قتل، لبنان میں فلانجسٹ پارٹی کی تشکیل اور صبرا و شتیلا میں آوارۂ وطن فلسطینی عوام کے کیمپوں پر بمباری اور بے گناہوں کا وحشیانہ قتل عام اسرائیلی سرگرمیوں کا اہم حصہ ہیں اور آخر کار تنظیم آزادئ فلسطین کو جو چیز حاصل ہوئی وہ یہ تھی کہ اسرائیل اور امریکہ نے اعلان کیا کہ ہم اس تنظیم کو سرکاری طور پر فلسطینی عوام کی نمائندہ جماعت نہیں تسلیم کرتے اور فلسطین کے سلسلے میں کیمپ ڈیوڈ والی کسی کانفرنس میں اس تنظیم کی نمائندگی کے سخت مخالف ہیں۔

اگرچہ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ فلسطین اور بیت المقدس کی آزادی کا مسئلہ مذاکرہ و گفتگو کے ذریعہ نہ طے ہو سکا ہے اور نہ ہی آئندہ طے ہو سکے گا۔ بلکہ اس سلسلے میں اب تک جتنے بھی

اجتماعات ہوئے ہیں ان میں اسرائیل کی ظالمانہ روش اور نکھر کر سامنے آئی ہے اور اسکے باوجود اس حکومت کو قانونی حیثیت دینے والے ممالک کی تعداد میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ مثال کے طور پر کیمپ ڈیوڈ معاہدہ اور مصری حاکم انور سادات کے ذریعہ اسرائیل کو قانونی طور پر تسلیم کئے جانے کے بعد اسلامی ملکوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حکومت مصر کی خیانت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اسے اسلامی کانفرنس تنظیم سے باہر نکال دیا جائے اور مصری حکومت سے قطع تعلق کرلیا جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مقبوضہ فلسطین مشرق وسطیٰ میں امریکہ اور سامراجی طاقتوں کی سرگرمیوں کا مرکز ہے۔ لہٰذا اس نے اپنی بھرپور کوشش اور سازشانہ اقدام کے ذریعہ اسلامی ممالک کے حاکموں کو اس بات پر راضی کرلیا کہ مصر کو اسلامی ممالک کی برادری میں دوبارہ شامل کرلیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بہ الفاظ دیگر مصر کے بعد دیگر نام نہاد اسلامی حکومتوں نے غاصب اسرائیلی حکومت کی تائید کردی اور فلسطینی مسلمانوں کے حقوق کو بے رحمی کے ساتھ پامال کردیا۔

بیت المقدس پر غاصبانہ تسلط کی حامل اسرائیلی حکومت کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہے کہ

۱۔ امتِ اسلامیۂ عالم اس حکومت کو قانونی طور پر کبھی نہ تسلیم کرے گی بلکہ ایک ہمہ جہتی نبرد آزمائی کے ذریعہ وہ اس اسلام دشمن حکومت کو نابود کردے گی۔

۲۔ انقلاب اسلامی ایران نے اپنی کامیابی کے فوراً بعد فلسطین اور بیت المقدس کی آزادی کی پر زور تحریک شروع کردی اور ان لوگوں کو امتِ اسلامئیہ عالم کے سامنے بے نقاب کرنا شروع کردیا جو بات چیت اور مذاکرہ کے ذریعہ فلسطین کی آزادی کا ڈھونگ رچاتے ہوئے فلسطینی مظلوموں کیساتھ خیانت کر رہے ہیں اور امریکہ و اسرائیل کو فائدہ پہونچانے میں ہمہ تن سرگرم ہیں۔ لیکن آزادئ قدس کی یہ تحریک اسی جگہ ختم نہیں ہوتی۔ چونکہ ہمارا عقیدہ و ایمان ہے کہ آزادئ قدس کے لئے غاصب کی نابودی، اسلامی اقوام کے درمیان اتحاد اور اسرائیلی حکومت کے خلاف فوجی اقدام جیسی چیزیں بہت ضروری ہیں۔ لہٰذا امام خمینی کی عظیم

> اگرچہ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ فلسطین اور بیت المقدس کی آزادی کا مسئلہ مذاکرات و گفتگو کے ذریعہ نہ طے ہو سکا ہے اور نہ ہی آئندہ طے ہو سکے گا بلکہ اس سلسلے میں ابتک جتنے بھی اجتماعات ہوئے ہیں ان میں اسرائیل کی ظالمانہ روش اور نکھر کر سامنے آئی ہے

قیادت میں سپاہ قدس اور صہیونیت کے خلاف متحدہ اسلامی محاذ کی تشکیل عمل میں آچکی ہے اور اسلامی جمہوریۂ ایران اپنی قدس نامی فوجی ٹولی کے ساتھ فلسطین کی آزادی کیلئے آگے قدم بڑھانے کے لئے ہمہ تن آمادہ ہے اور قائد انقلاب اسلامی ایران امام خمینی اپنی تقریروں میں صہیونیت کے شر سے اسلام کے تحفّظ پر برابر تاکید کرتے رہے ہیں اور آزادی فلسطین کے لئے مناسب و موثر راہوں کی نشاندہی بھی کرتے رہتے ہیں۔ رمضان المبارک کے مہینے میں عالمی یوم قدس کی تشکیل ان موثر راہوں میں سے ایک ہے۔ موضوع کی مناسبت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اس مقالے کے آخر میں آزادی قدس کے سلسلے میں ان کے اقوال و نظریات کا خلاصہ حاضر خدمت ہے

"اقوام عالم کو ان مسائل کی طرف خود توجہ کرنی چاہیئے اور ان وحشیانہ مظالم کے خلاف انقلاب برپا کرنا چاہیئے انھیں اپنی حکومتوں سے کوئی امید نہیں رکھنی چاہیئے کیونکہ ان میں سے اکثر بڑی طاقتوں کی سازش کا جز ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی وحشیانہ اور اسلام دشمن ظالمانہ روش میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے لیکن نام نہاد اسلامی حکومتوں پر مسلمانوں کے قتل عام کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اگر ان حاکموں میں سے کسی ایک کی زبان پر کوئی بات آجاتی ہے تو اس کا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔"

"لوگوں کو توجّہ کرنی چاہیئے اور تمام مسلمانوں کو غور و فکر سے کام لینا چاہیئے کہ یومِ قدس وہ اہم دن ہے جو جملہ اقوام عالم اور ملّتِ اسلامیۂ عالم کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے لہٰذا اس اہم دن کو زندہ رکھنا چاہیئے۔ اگر چاروں طرف سے ملّتِ اسلامیۂ عالم کی زبان پر یہ نعرہ بلند ہو جائے کہ رمضان المبارک کا آخری جمعہ یومِ قدس ہے اس موقع پر تمام مسلمانوں کو اسلامی اجتماعات اور مظاہروں کا اہتمام کرنا چاہیئے وہ دن دور نہیں کہ ان اجتماعات اور مظاہروں کے ذریعہ ہم ان اسلام دشمن طاقتوں کا بھرپور جواب دیں گے اور اسلامی علاقوں سے دشمن کے ناپاک وجود کا خاتمہ کردیں گے۔ سردست مسلمان سستی اور کاہلی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ ملّتِ اسلامیہ اس مسئلہ سے

بے توجہی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ آزادی قدس کی اسلامی تحریکوں کی رفتار کم ہے اور اس سلسلے میں مظاہروں کی تعداد اور انکی سطح بھی زیادہ بلند نہیں ہے اسرائیل جب یہ دیکھتا ہے کہ ملت اسلامیہ باہمی اختلافات کا شکار ہے، حکومت مصر اس کی حمایت و پشت پناہی میں سرگرم ہے اور عراقی بعثی حکومت اُسے ہر طرح کی سہولت فراہم کرنے کے لئے آمادہ ہے تو اس کی غیر معمولی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور وہ اپنے اسلام دشمن منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں بڑے اطمینان سے پیش قدمی کرتا ہے۔ اطمینان رکھئے اگر آپ لوگوں نے ایسی ہی سستی اور کاہلی کا مظاہرہ جاری رکھا تو یہ صہیونی ظالم دریائے فرات تک پہونچنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"مجھے امید ہے کہ امتِ اسلامیہ یوم قدس کی عظمت و بزرگی کا احترام کرے گی اور رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو یوم قدس کے سلسلے میں عظیم اسلامی اجتماعات اور مظاہروں کا اہتمام کریں گے۔ اور مسجدوں سے بیت المقدس کی آزادی کا فلک شگاف نعرہ بلند کریں گے۔ جیسے ہی دنیا کے ایک ارب مسلمانوں کی آواز بلند ہوگی تو اسرائیل ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اسرائیل مسلمانوں کی اس انقلابی آواز سے بہت خوفزدہ ہے۔ اگر مسلمان اس بات کو بخوبی سمجھ لیں کہ ہمارے وجود کا خالق و مالک خداوند عالم ہے اور ہمیں خدا کے لئے زندگی بسر کرنی چاہئیے تو ان کے دل میں کسی قسم کا خوف باقی نہ رہے گا اور اس کے بعد اسرائیل میں پیش قدمی کی ہمت نہ رہے گی۔ ہمیں اسرائیل کو عرب اور اسلامی علاقوں سے باہر نکال دینے کا اٹل فیصلہ کر لینا چاہئیے اور صرف اس بات پر اکتفا نہ کرنا چاہئیے کہ وہ بیت المقدس کو اپنی حکومت کا مرکز یا دارالسلطنت نہ بنائے۔ خداوند عالم ہم لوگوں کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ ایک دن ہم لوگ بیت المقدس میں نماز ادا کریں۔ ہمیں امریکہ کے فریب کا شکار نہ ہونا چاہئیے اور ایسے اجتماعات کے چکر میں نہ پڑنا چاہئیے جن میں ہم سے زبانی حمایت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ان اجتماعات کا مقصد ہمارے حقوق کی پامالی ہے ہمیں اس دھوکہ میں ہرگز نہ پڑنا چاہئیے۔ ہر شخص کو اپنی ذاتی ذمہ داری کے تحت انقلاب برپا کرنا چاہئیے۔ تمام مسلمانوں کو ان دشمنوں کے خلاف انقلابی سرگرمیوں سے کام لینا چاہئیے۔ مسلمانوں کو یہ نہ سوچنا چاہئیے کہ ان کی حکومت اس سلسلے میں کوئی عملی قدم اٹھائے گی۔ حکومتوں کو ان مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، مسلمانوں کو از خود یہ کام انجام دینا ہے کسی دوسری بڑی طاقت کی آغوش میں پناہ لینے سے کوئی کام بننے والا نہیں، یہ سب اس بھیڑئیے کی طرح ہیں جس کی فطرت ہی یہ ہے کہ آدم خوری کرے۔ یہ سب بڑی طاقتیں ہمیں لقمۂ تر کی طرح نگل جانا چاہتی ہیں لہٰذا آپ لوگوں کو اپنی حفاظت کی فکر کرنی چاہئیے۔ اپنے پروردگار کی طرف ہمہ تن متوجہ رہنا چاہئیے۔ اپنے مقدس دین اسلام کی طرف متوجہ رہنا چاہئیے اور اسلام کی حفاظت و خوشنودئ پروردگار کی خاطر انقلاب برپا کرنا چاہئیے۔ اسلام اور خدا کی خاطر پیش قدمی سے کام لینا چاہئیے۔ انشاء اللہ آپ لوگوں کی کامیابی یقینی ہے۔۔۔۔"

اگرچہ یوم قدس اپنے ظاہری خدوخال کی مناسبت سے دوسرے دنوں کی طرح ایک دن ہے لیکن درحقیقت یہ اسرائیل اور اسکی حمایت کرنے والے رجعت پسند حکمرانوں کیلئے موت کی گھنٹی ہے جس کی آواز عالمی فضا میں گونج رہی ہے یوم قدس ابتدائی مرحلے میں اسرائیل کو اسلام، قرآنِ مجید اور مسلمانوں کے جانی دشمن کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ ان رجعت پسند حکمرانوں کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے جو مسلمانوں کے دل سے اسرائیلی وحشیانہ مظالم کی یاد کو محو کر دینا چاہتے ہیں اور دوسری منزل میں یہ یوم قدس اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلامی سرزمین فلسطین اور اور بیت المقدس کی آزادی کے لئے حتی الامکان کوشش کرنا مسلمانوں کی شرعی ذمہ داری ہے۔

بیت المقدس کی عظمت و اہمیت سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا اور اس سے مسلمانوں کو بے توجہ نہیں رکھا جا سکتا۔ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلۂ اوّل ہے اور صہیونی چنگل سے اس کی آزادی کا واحد راستہ اسرائیل مردہ باد کی آواز ہے، جیسے اسلامی جمہوریۂ ایران نے عالمی کفر کے خلاف اپنی جدوجہد کی فہرست میں سب سے اوپر جگہ دی ہے اس کے ساتھ ہی اسلامی ممالک کے سربراہوں کی سیاسی بازی گری سے بھی کنارہ کشی اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اسرائیل مردہ باد کی آواز نام نہاد مسلمان سربراہوں کی خیانت کارانہ روش سے علیحدگی کے علاوہ مسلمانوں کو اتحادِ باہمی سے کام لینے کی ضرورت ہے فلسطینی مجاہدوں کو اپنی قوم اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہوئے مشرق و مغرب کی عظیم طاقتوں سے ناوابستگی کے ساتھ استقامت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہئیے اور یہ عقیدہ و ایمان رکھنا چاہئیے کہ انھیں اسلام اور قرآن کے سایہ میں کامیابی حاصل کرنی ہے اس کے علاوہ اسلامی ممالک اگر اسرائیل اور اس کی حمایت کرنیوالے ملکوں کو تیل سپلائی کرنا بند کر دیں تو اس اقدام کے ذریعہ بھی آزادئ قدس کی زمین ہموار ہو سکتی ہے مختصر لفظوں میں یہ سمجھ لیجئے کہ بیت المقدس کی نجات کی واحد راہ "راہِ اسلام" ہے۔ ●

والسلام

چودہ؟ ایک انعامی مقابلہ

برادرانِ وخواہرانِ اسلام — سلام علیکم

آپ لوگوں کو یہ معلوم ہو کر یقیناً خوشی ہوگی کہ اپنے نوجوان ساتھیوں کی دینی لگن اور مذہبی دلچسپیوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ماہنامہ "راہِ اسلام" نے اپنے گذشتہ شماروں میں چودہ سوال۔ انعامی مقابلے کا جو پروگرام شروع کیا تھا وہ بحمد للہ آج بھی جاری ہے۔ ذیل میں پوچھے گئے چودہ سوالوں کا صحیح جواب لکھنے والوں کو مندرجہ ذیل انعامات دیئے جائیں گے۔ انعامات کی رقم یقیناً حقیر ہے مگر اس سے اسلامی موضوعات میں دلچسپی رکھنے والے بھائیوں اور بہنوں کی حوصلہ افزائی مقصود ہے۔ صحیح جواب ارسال کرنیکی آخری تاریخ ۳۰ جون ۱۹۸۶ء ہے۔ واضح رہے کہ معینہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات کو مقابلے میں شامل نہیں کیا جاسکے گا۔ ادارہ کا فیصلہ حتمی اور آخری ہوگا۔ اگر صحیح جوابات کی تعداد زیادہ ہوئی تو فیصلے کے لئے قرعہ اندازی کا سہارا لیا جائے گا۔ خداوند عالم ہم سب لوگوں کو علم دین حاصل کرنیکی توفیق عطا فرمائے۔

انعامات: پہلا انعام: ایک کتاب، مبلغ سو روپے نقد | دوسرا انعام: ایک کتاب، مبلغ پچھتر روپے نقد | تیسرا انعام: ایک کتاب، مبلغ پچاس روپے نقد

کیا آپ جانتے ہیں؟

۱۔ یہ آیت مبارکہ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ

قرآن مجید کے کس سورہ میں ہے اور اس کا مطلب کیا ہے؟

۲۔ یہ قرآن مجید کی کس آیت کریمہ کا ترجمہ ہے:۔

"مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان دار مرد اور ایماندار عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں بیشک ان سب لوگوں کے واسطے خدا نے مغفرت اور بڑا (بڑا) ثواب مہیا کر رکھا ہے۔"

۳۔ روزہ کو باطل کر دینے والی چیزوں کا نام بتایئے؟

۴۔ جس شخص پر ماہ رمضان کے روزہ کا کفارہ واجب ہے اسے کیا کرنا چاہیئے۔؟

۵۔ مندرجہ ذیل میں سب سے پہلے جس شخص نے اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا تھا اس کا نام بتایئے؟

۱۔ ابوسفیان، ۲۔ نعمان بن منذر، ۳۔ قیس بن عاصم، ۴۔ ابوجہل،

۶۔ حضرت ابوطالب کی وفات کے وقت پیغمبرؐ کی عمر کیا تھی؟

۸ سال - ۲۵ سال - ۴۰ سال - ۵۰ سال۔

۷۔ شب ہجرت تلواروں کی چھاؤں میں پیغمبرؐ کے بستر پر کون سویا تھا۔ اس رات کفار قریش کا ارادہ کیا تھا؟ اور پیغمبرؐ کس کے ساتھ مکہ سے باہر نکلے؟

۸۔ مندرجہ ذیل افراد میں سے کس شخص نے پیغمبرؐ کے اس خط کو پارہ پارہ کر دیا تھا جسمیں آپ نے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی؟

قیصر روم - بادشاہ ایران - مقوقس بادشاہ یمن۔

۹۔ عالمی یوم قدس کس دن منایا جاتا ہے اور یہ مسلمانوں کو کیا پیغام دیتا ہے؟

۱۰۔ ایران میں سپاہ پاسداران کی تشکیل کب ہوئی اور یہ کیا فرائض انجام دیتی ہے؟

۱۱۔ کچھ دنوں قبل امریکہ نے جس عرب ملک پر وحشیانہ حملہ کیا ہے اس کا نام کیا ہے اور یہ وحشیانہ حملہ کس بات کی نشاندہی کرتا ہے؟

۱۲۔ کیا اقوام متحدہ نے اس بات کی تائید کر دی ہے کہ بعثی حکومت ایرانی بے گناہوں پر کیمیاوی بم برسا کر انسانی اصولوں کی خلاف ورزی کر رہی ہے؟

۱۳۔ آزادی کے بعد ہندوستان میں مسلمان گورنروں اور چیف منسٹروں کے نام بتایئے؟

۱۴۔ آزادی کے بعد جن مستقل ریاستوں نے ہندوستان میں شمولیت اختیار کی انمیں سے دو بڑی ریاستوں کے نام بتایئے؟۔

تعلیماتِ نہج البلاغہ

خطبہ جہاد

آیۃ اللہ العظمیٰ المنتظری

باوقار موت:

فلو ان امرأ مسلما مات من بعد ھذا اسفا ما کان بہ ملوما بل کان بہ عندی جدیرا۔

پس اگر اس کے بعد کوئی مسلمان شدتِ غم سے مرجائے تو کسی کو اسے برا بھلا نہ کہنا چاہیے بلکہ عزت و آبرو کا تقاضہ یہ ہے کہ ایسی خبر سن کر ایک مسلمان کو موت آجائے۔ جی ہاں! ایک مسلمان کو یہ خبر سن کر یقیناً ڈوب مرنا چاہیے۔ کہ صبرا و شتیلا کے کیمپ میں تین ہزار سے زیادہ بے گناہ مرد و عورت اور بوڑھے بچے نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کر ڈالے گئے۔ اور تمام مسلمان ان کی حفاظت کے بجائے خاموش تماشائی کی طرح اس دردناک قتلِ عام کا تماشا دیکھتے رہے یعنی فوج نے اپنے وحشیانہ حملے کے آغاز میں ایران کے جنوب اور مغربی علاقوں کے بے گناہوں پر ہولناک مظالم کی بھرمار کردی تھی۔ کیا یہ افسوسناک بات نہیں ہے کہ مذہبِ اسلام کی پیروی کرنے والے وحشیانہ مظالم کی اس داستان کو سنیں اور خاموش رہ جائیں؟!

اے کاش ہماری فوج کے یہ فرزندانِ توحید جو محاذِ جنگ پر گراں قدر قربانی پیش کر رہے ہیں۔ حضرت امیرؑ کے دور میں ہوتے اور ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھ جاتے۔ تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت امیرؑ کے اس موثر اور درد انگیز خطبے کے بعد مسلمانوں کے اس مجمع میں صرف ایک آدمی اپنے بچے کی انگلی پکڑے ہوئے اٹھا اور کہنے لگا "یا امیرالمومنینؑ! میں اپنے اس بچے کے ساتھ آپ جہاں حکم دیں وہاں جانے کے لئے ہمہ تن آمادہ ہوں"۔ اس شخص کے علاوہ تمام مسلمانوں پر خاموشی چھا گئی اور کسی نے امامؑ کی آواز پر لبیک نہ کہا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"فیا عجبا عجبا! واللہ یمیت القلب و یجلب الھم اجتماع ھؤلاء القوم علی باطلھم و تفرقکم عن حقکم"

گویا حضرت امیرالمومنینؑ تعجب کو آواز دیتے ہیں کہ اے تعجب! یعنی حیرت و تعجب کا مقام ہے۔ خدا کی قسم اس بات سے انسان کا دل مردہ ہوجاتا ہے اور وہ غیر معمولی رنج و غم میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ اگرچہ یہ قوم یعنی یارانِ معاویہ باطل پر ہیں پھر بھی لوگ آپس میں متحد ہیں اور تم لوگ امام برحق کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی اپنے امام کے فرمانِ حق کی پیروی نہیں کرتے اور اپنے حق کے سلسلے میں باہم تفرقہ کا شکار ہو۔

درحقیقت اتحاد کامیابی کا ذریعہ ہے چاہے متحد ہونے والے لوگ اہلِ باطل ہوں یا اہلِ حق۔ لہٰذا حضرتِ امیرؑ اس بات پر افسوس کرتے ہیں کہ ان کے اصحاب تفرقہ کا شکار کیوں ہیں اور ایک امام برحق کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی انکے درمیان اتحاد اور ہم آہنگی کیوں نہیں ہے۔

"فقبحا لکم و ترحا! حین صرتم غرضا یرمی"

تمہارا برا ہو اور تم لوگ ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا رہو کیونکہ تم لوگ دشمن کی گولی کا نشانہ بنے بیٹھے ہو "ترح" ضد ہے "فرح" کی جس کا مطلب ہے رنج و غم۔

غرض = نشانہ یا مقصد

"یغار علیکم ولا تغیرون و تغزون ولا تغزون"۔ وہ لوگ تمہارے اوپر حملہ آور ہیں لیکن تم اپنی جگہ سے ہلتے بھی نہیں ہو تمہارے اوپر حملوں کی بھرمار ہے ایسے موقع پر جوابی حملے کے ذریعہ تمہیں اپنا دفاع کرنا چاہیئے لیکن تم لوگ

اپنا دفاع بھی نہیں کرتے۔

"ویعصی اللّٰہ وترضون"۔ خدا کی نافرمانی ہورہی ہے اور تم لوگ راضی ہو۔ اس سے بڑی معصیت و نافرمانی اور کیا ہے کہ اہلِ باطل تمہارے شہروں پر حملہ کریں۔ بیگناہ مسلمانوں کو بے رحمی کے ساتھ شہید کریں، لوٹ مار اور مسلمانوں کی غارت گری کا بازار گرم کردیں اور مسلمان عورتوں کی بے حرمتی کریں۔ غرضکہ یہ حملہ آور فوج حکم خدا کی نافرمانی کرتے ہوئے ہر طرح کے تجاوز سے کام لے اور تم لوگ ان کی اس حرکت سے راضی رہو۔ تمہاری یہ خاموشی تمہاری رضامندی کی علامت ہے۔ اگر تم لوگ اہلِ باطل کی تجاوزگری سے واقعی ناراض ہوتے تو دشمن سے مقابلہ کیلئے فوراً پیش قدم ہوجاتے۔

جہاد سے فرار اور اسکا عذر

"فاذا امرتکم بالسیر الیھم فی ایام الصیف (الحر) قلتم ھذہ حمارۃ القیظ امھلنا یسبخ عنا الحر!" جب میں تم لوگوں کو یہ حکم دیتا ہوں کہ دشمن کی طرف بڑھو اور ان سے جہاد کرو تو تم لوگ یہ کہتے ہو کہ اس وقت شدید گرمی پڑ رہی ہے فی الحال ہم لوگوں کو اتنی مہلت دے دیجئے کہ گرمی کچھ کم ہوجائے۔ غرضکہ تم اس قسم کا بہانہ کرتے ہو۔

حمارۃ ۔ شدت۔

قیظ ۔ گرمی۔

امھلنا ۔ ہمیں اتنی مہلت دید یجئے۔

یسبخ عنا الحر ۔ گرمی کچھ کم ہوجائے۔

واذا امرتکم بالسیر الیھم فی الشتاء" قلتم : ھذہ صبارۃ القر! امھلنا ینسلخ "عنا البرد!" جب میں تم لوگوں کو جاڑے کے موسم میں حکم دیتا ہوں کہ جاؤ اور دشمن کے خلاف جہاد کرو تو تم یہ جواب دیتے ہو کہ ابھی ٹھنڈک زیادہ ہے۔ ذرا ٹھنڈ کم ہوجائے تو جہاد کے لئے روانہ ہوں گے۔

صبارۃ ۔ لفظ حمارۃ کی طرح اسکا مطلب ہے شدت لیکن گرمی کی شدت کیلئے حمارۃ کا استعمال کیا جاتا ہے اور ٹھنڈک کی شدت ظاہر کرنے کے لئے صبارۃ لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ھے کہ دشمن نے اس کے اسلامی ملک پر دھاوا بول دیا ھے اور دشمن فوج عورتوں کی بے حرمتی میں مصروف ھے تو غیرتِ انسانی کا بنیادی تقاضہ ھے کہ وہ اپنے ملک اور ھموطن لوگوں کے دفاع کے لئے اٹھ کھڑا ہو اور دشمن کا مقابلہ کرے

قر ۔ قر اور برد دونوں کو ٹھنڈک کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد حضرت امیرالمومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں۔

"کل ھذا فرارا من الحر والقر"۔ دراصل گرمی اور سردی تو جہاد سے فرار اختیار کرنے کا بہانہ ہے پھر آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں تھا کہ محض سردی اور گرمی کی وجہ سے وہ لوگ جنگ سے بھاگتے تھے بلکہ چونکہ وہ لوگ بہادر نہ تھے اس وجہ سے وہ موسم کی آڑ میں اپنی جان بچانا چاہتے تھے۔ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ سردی اور گرمی سے بھاگنے والا شخص میدان جنگ میں چمکتی ہوئی تلواروں کا مقابلہ ہرگز نہیں کرسکتا۔

کہتے ہیں کہ ملا نصرالدین کے پاس ایک رسی تھی۔ ایک شخص نے اپنے کسی کام کے لئے ان سے رسی مانگی۔ ملا نصرالدین نے جواب دیا کہ میں اس رسی کے سہارے تلوں کو دھوپ میں خشک کررہا ہوں۔ اس نے کہا۔ تلوں کو رسی کے ذریعہ کوئی خشک نہیں کرتا۔ ملا نے کہا درحقیقت یہ محض ایک بہانہ ہے میں اپنی رسی کسی کو نہیں دینا چاہتا اس لئے اس قسم کا بہانہ کرنا پڑتا ہے۔

"فاذا کنتم من الحر والقر تفرون" "فانتم واللّٰہ من السیف افر"۔ پس اگر تم لوگ سردی اور گرمی سے بھاگتے ہو تو خدا کی قسم تلوار سے تو اور دور بھاگو گے۔ اگر انسان میں ایمان واستقامت ہو تو اس کی نظر میں سردی وگرمی کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ وہ تو آگ اگلتی ہوئی توپ کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔

جی ہاں! اگر کسی کی شکل وصورت انسان جیسی ہے لیکن اس میں حمیت، غیرت، اور شجاعت جیسی ضروری صفات موجود نہیں ہیں تو ایسے شخص کو انسان نہیں کہا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ دشمن نے اس کے اسلامی ملک پر دھاوا بول دیا ہے اور فوج دشمن عورتوں کی بے حرمتی میں مصروف ہے تو غیرتِ انسانی کا بنیادی تقاضہ ہے کہ وہ اپنے ملک اور اپنے ہموطن لوگوں کے دفاع کے لئے اٹھ کھڑا ہو اور دشمن کا بھرپور مقابلہ کرے۔

فرار کا سبب

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت امیرؑ انتہائی

رنج وغم کے ساتھ ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"یا اشباہ الرجال ولا رجال"۔ یعنی اے مردوں کی شکل وصورت رکھنے والے نامرد لوگو!

معمول یہ تھا کہ حضرت امیرؑ کی تقریر کے وقت ہمیشہ مسجد لوگوں سے بھری رہا کرتی تھی لیکن جنگ کے موقع پر لوگ مسجد سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے چنانچہ ایسے لوگوں کو ہرگز مرد نہیں کہا جاسکتا ہے کیونکہ مرد کی مردانگی یہ ہے کہ وہ غیرت شجاعت اور جانثاری سے کام لے۔

"حلوم الاطفال وعقول ربات الحجال"۔ تم لوگوں کی عقل اس کمسن بچے اور نئی نویلی دلہن جیسی ہے جس نے دنیا کی سردی وگرمی کا مزہ نہ چکھا ہو۔

ممکن ہے کہ اس جگہ بھی "حلم" کو بردباری کے معنی میں استعمال کیا گیا ہو اور اس بات کا امکان بھی ہے کہ اس لفظ کو عقل کے معنی میں استعمال کیا گیا ہو یعنی امیرالمومنینؑ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مشکلات اور پریشانی کے مقابلے میں صبر و بردباری بہت کم ہے اور کمسن بچوں کی طرح تم لوگوں میں صبر وتحمل کا فقدان ہے اگر حلم کو عقل کے معنی میں تسلیم کیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ حضرت امیرؑ نے ان لوگوں کو کم عقل بچوں سے تشبیہ دی ہے کیونکہ بچوں میں تدبر اور عاقبت اندیشی نہیں ہوتی اور بعد میں کسی چیز کا کیا انجام ہونے والا ہے اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ اگر آج دشمن نے ہمارے ملک پر حملہ کر دیا تو کل وہ ہمارے شہر میں داخل ہوگا اور دوسروں کی طرح ہمارے ساتھ بھی قتل وغارت گری کا سلوک اختیار کرے گا۔ اس طرح اسلام اور مسلمانوں کی حیثیت کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور ملک کی آزادی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ نئی نویلی دلہن یا کم عمر بچوں سے اس قسم کی دور اندیشی کی امید نہیں کی جاسکتی کیونکہ ان کو دنیا کے نشیب وفراز کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا ہے۔

حجال جمع ہے حجلہ کی

ربات جمع ہے ربۃ کی۔ رب صفت تشبیہی ہے اور اس کا مطلب ہے صاحب یا مالک جیسے رب العالمین یعنی عالمین کا مالک و پروردگار۔

> پس اگر تم لوگ سردی اور گرمی سے بھاگتے ہو تو خدا کی قسم تلوار سے تو اور دور بھاگو گے
>
> اگر انسان میں ایمان و استقامت ہو تو اس کی نظر میں سردی و گرمی کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ وہ تو آگ اگلتی ہوئی توپ کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔

رب کا مونث ہے ربۃ اور ربات الحجال کا مطلب ہے ایسی نئی شادی شدہ عورتیں جنہوں نے اپنے باپ کے گھر سے نکل کر ابھی ابھی سسرال میں قدم رکھا ہو۔ اور جنھیں دنیاوی مصائب اور پریشانیوں کا کوئی اندازہ وتجربہ نہیں ہے اور ایسی عورتوں سے اس قسم کی دور اندیشی کی امید نہیں کیجاسکتی یہاں اس بات کا تذکرہ لازمی ہے کہ اس دور میں نو یا دس سال کی عمر میں لڑکیوں کی شادی ہو جاتی تھی۔ دور حاضر جیسی صورت حال نہ تھی کہ لڑکیاں یونیورسٹی میں تاریخ وجغرافیہ اور دیگر علوم حاضرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ازدواجی زندگی میں قدم رکھیں۔

امام کی خواہش اور انکا دکھ

"لوددت انی لم ارکم ولم اعرفکم معرفۃ واللہ- جرت ندما واعقبت سدما"۔ حضرت امیرالمومنینؑ اسقدر رنجیدہ و متاثر تھے کہ اپنا درد دل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ "خدا کی قسم! دل تو یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں کا چہرہ بھی نہ دیکھتا اور تمہیں نہ پہچانتا ہوتا۔ خدا کی قسم! تم سے شناسائی کی وجہ سے ہی مجھے ذلت ورسوائی اور درد وغم کا منہ دیکھنا پڑا۔

شہر کوفہ لشکر اسلام کا فوجی مرکز رہا ہے خلیفہ دوم کے زمانے میں سعد وقاص عربی فوج کا سپہ سالار تھا۔ ایران فتح کرنے کے لئے مختلف عرب قبائل پر مشتمل اسلامی سپاہ کی باگ ڈور اس کے ہاتھوں میں تھی۔ چنانچہ خلیفہ دوم کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے سعد وقاص نے شہر کوفہ کی بنیاد رکھی اور اسے لشکر اسلام کا ہیڈ کوارٹر مقرر کر دیا۔ اس شہر میں ایسے تجربہ کار فوجی افسران کی بہت بڑی تعداد موجود تھی جو کئی برسوں سے بیت المال سے تنخواہ حاصل کر رہے تھے۔ لیکن یہ لوگ میدان جنگ میں داخل نہیں ہوئے تھے فطری بات ہے کہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ بغیر کسی کام کے اچھی خاصی سرکاری تنخواہ حاصل کر رہے تھے اور اس کے بدلے میں انھیں کسی قسم کا کوئی کام نہیں کرنا پڑتا تھا دراصل فوج کو ہمہ وقت اور ہمہ تن آمادہ رہنا چاہیئے تاکہ قائد یا سپہ سالار کا حکم ملتے ہی وہ محاذ جنگ

کی طرف روانہ ہو جائے اور دشمن کے خلاف نبرد آزمائی کے فرائض انجام دے سکے۔ لیکن اگر فوج کی یہ حالت ہو کہ حضرت امیر المومنینؑ درد بھرے لہجے میں یہ ارشاد فرمائیں۔ کہ خدا کی قسم یہ بات میری ذلت و رسوائی کا باعث ہے کہ ان لوگوں کو پہچانتا ہوں۔ اس بات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ایسی کاہل اور ناعاقبت اندیش فوج کے ساتھ میدان جنگ میں شرمناک شکست کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ اسی وجہ سے حضرت امیرالمومنینؑ ناراضگی کے عالم میں ان

جی ہاں! بات کچھ ایسی ہی تھی تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت امیرؑ المومنین کے اس جوشیلے خطبے کے بعد مجمع کے درمیان صرف ایک دمی اپنے بھائی کے لڑکے کی انگلی پکڑے ہوئے کھڑا ہوا اور کہنے لگا "یا علیؑ! میں اور میرا یہ بھتیجہ یعنی دونوں آپ کا ساتھ دینے کے لئے ہمہ تن آمادہ ہیں۔"

پر لعنت و ملامت کرتے نظر آتے ہیں۔ "قاتلکم اللّٰہ" خداوند عالم تم لوگوں کو قتل کر ڈالے یعنی پروردگار عالم تم لوگوں سے اپنی رحمت سلب کرے اور تمہیں موت آجائے۔ کیوں کہ تم جتنے دن زندہ رہو گے گناہوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

لقد ملأتم قلبی قیحا "خدا کی قسم تم لوگوں کی وجہ سے میرے دل کے گھاؤ پر پپڑی جم گئی ہے۔ قیح اس سفید پپڑی کو کہتے ہیں جو زخم کے اوپر نظر آنے لگتی ہے۔

"وشحنتم صدری غیظا" اور تم لوگوں کی وجہ سے میرا سینہ غیظ و غضب سے بھرا ہوا ہے۔ اور مجھے غصہ اس لئے آتا ہے کہ ایسی فوج کے ہونے سے کیا فائدہ جو میدان جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو۔

"وجرعتمونی نغب التہمام انفاسا" اور تم لوگوں نے مجھے اس غصہ کو گھونٹ گھونٹ کر کے دیا ہے۔ حضرت نے یہاں غصہ کو خراب پانی سے تشبیہ دی ہے کہ اگر انسان کو بدرجہ مجبوری ایسا پانی پینا پڑتا ہے تو وہ اُسے گھونٹ گھونٹ کر کے گلے سے نیچے اتارتا ہے نغب جمع ہے نغبہ کی جسکا مطلب ہے گھونٹ۔ تہمام۔ غم و غصہ۔

انفاسا۔ ایک مرتبہ نہیں بلکہ آہستہ آہستہ اور بتدریج۔

یعنی میں نے بتدریج تمہاری برائیوں کو دیکھا اور میرے غیظ و غضب میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

قائد کو کمزور بنانا اور دشمن کی یاوہ گوئی

"وأفسدتم علیّ رایی بالعصیان و الخذلان" یعنی تم لوگوں نے اپنی نافرمانی کی وجہ سے میری فکر کو فاسد بنا دیا۔ جسوقت کوئی سپہ سالار جنگ کی پلاننگ کرتا ہے اور نبرد آزمائی کا حکم صادر کرتا ہے، اگر فوج اس کی نافرمانی کرتی ہے تو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ سپہ سالار اپنے کام میں ماہر نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرتؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم لوگوں نے اپنی نافرمانی کے ذریعہ میری فکر کو فاسد بنا دیا اور میری خجالت کا سبب بن گئے۔ خذلان یعنی ناکامیابی اور شرمناک شکست۔

"حتی لقد قالت قریش ان ابن ابی طالب رجل شجاع ولکن لا علم له بالحروب!" مختصر یہ کہ تم لوگوں نے اپنی نافرمانی کے ذریعہ مجھے اتنا شرمندہ کر دیا کہ قریش یہ کہنے لگے۔ "ابوطالبؑ کا بیٹا بہادر اور طاقتور ضرور ہے لیکن فن جنگ کے بارے میں اسکی صلاحیت ناکافی ہے اور وہ جنگ کی منصوبہ بندی سے قطعی ناواقف ہے!!

"للّٰہ ابوھم"۔ اس موقع پر حضرت امیرؑ اپنا دفاع کرتے ہیں اور تہمت لگانے والے قریش پر لعنت و ملامت کے بجائے ارشاد فرماتے ہیں "خداوند عالم ان لوگوں کے باپ کو خیر عطا کرے"

اگر انسان میں ایمان و استقامت پیدا ہو جائے تو اس کے نزدیک سردی گرمی کی کوئی حیثیت نہیں

"وھل احد منھم اشد لھا مراسا واقدم فیھا مقاما منّی؟ لقد نھضت فیھا وما بلغت العشرین وھا انا ذا قد ذرفت علی الستین۔"

جو لوگ میرے اوپر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ میں فن جنگ سے ناواقف ہوں تو ان میں سے ایسا کون ہے جس نے مجھ سے زیادہ جنگ کی ہے اور جنگ کے میدان میں مجھ سے زیادہ کامیابی حاصل کی ہے اور جنگی علوم و فنون میں مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہے؟ میں نے بیس سال کی عمر سے پہلے ہی جنگ میں شرکت شروع کر دی تھی اور اس وقت میری عمر کے ساٹھ سال ختم ہونے والے ہیں۔ اس طرح جنگ کے سلسلے میں مجھے چالیس برس کا تجربہ ہے۔ جنگ سے سب سے

زیادہ سروکار میرا ہی رہا ہے چنانچہ میں جنگ کی رگ رگ سے پوری طرح واقف ہوں۔"

"ھا انا ذا۔" میں جو کچھ ہوں وہ تم لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ یعنی آنکھ کھولو اور دیکھو! میری عمر ۶۰ سال ہو چکی ہے۔ پھر بھی میں میدان جنگ سے پیچھے ہٹنے کے لئے آمادہ نہیں ہوں۔ اس کے بعد بھی تم یہ کہتے ہو کہ علیؑ جنگ سے واقف نہیں ہے!! ارے میرا بچپن میدان جنگ میں گزرا ہے اور بڑھاپا بھی جنگ

آنکھ کھولو اور دیکھو! میری عمر ۶۰ سال ہو چکی ہے پھر بھی میں میدان جنگ سے پیچھے ہٹنے کے لئے آمادہ نہیں ہوں۔ اس کے بعد بھی تم یہ کہتے ہو کہ علیؑ فن جنگ سے واقف نہیں ہے!! ارے میرا بچپن میدان جنگ میں گزرا ہے اور بڑھاپا بھی جنگ کے میدان میں گزر رہا ہے۔

کے میدان میں گزر رہا ہے۔"

اس سے قبل آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ ابھی میری عمر بیس برس کی نہ تھی کہ میں جنگ کے میدان میں آ گیا تھا۔ شاید اس جملے سے آپؑ کی مراد وہ چھوٹی چھوٹی لڑائی ہے جو پیغمبرؐ اکرم اور اہل قریش کے درمیان مکہ میں ہوئی تھیں اور ان تمام لڑائیوں میں حضرت علیؑ رسولؐ مقبول کے ساتھ ساتھ رہے اور پیغمبرؐ خدا کی حفاظت کے فرائض انجام دیتے رہے اور جنگ بدر کے موقع پر آپ کی عمر ۲۵ سال تھی۔

"ولکن لا رأی لمن لا یطاع"۔ عرب میں اس جملے نے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ یعنی جس کی اطاعت نہیں کی جاتی اس کی رائے اور اس کے خیالات کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

جی ہاں! بات کچھ ایسی ہی تھی۔ تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت امیرؑ المومنین کے اس جوشیلے خطبے کے بعد مجمع کے درمیان صرف ایک آدمی اپنے بھائی کے لڑکے کی انگلی پکڑے ہوئے کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ "یا علیؑ! میں اور میرا یہ بھتیجہ یعنی ہم دونوں آپ کا ساتھ دینے کیلئے ہمہ تن آمادہ ہیں۔ ہم دونوں بنی اسرائیل کی طرح نہیں ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا اذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون۔" یعنی تم اپنے پروردگار کے ساتھ آگے بڑھو اور فلسطین کو آزاد کرا لو۔ اس کے بعد ہم بھی وہاں آجائیں اور تمہارے ساتھ پُرسکون زندگی بسر ہو جائے۔ ہم مرد میدان ہیں۔ اسکے بعد حضرت امیرؑ نے ان لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "تم دو آدمیوں سے یہ پریشانی حل ہونے والی نہیں ہے

بقیہ: مارکسزم

دی جا سکتی ہیں۔ اگر ان سب کو مرتب صورت میں دیکھا جائے تو ان میں سے اکثر خصوصیات باہم مماثل و مشابہ ہوں گی اور بہت سی اس کے بالکل برعکس نظر آئیں گی۔

اگر ہم عہد حاضر پر نظر ڈالیں تو دیکھیں گے کہ اب سے تقریباً ۶۲ سال قبل اس وقت جب کہ اشتراکی نظریات و خیالات اس ملک میں اثر انداز ہونا شروع ہوئے تو یہاں قبائل نظام رائج تھا (چھوٹے سرمایہ دار اور بڑے سرمایہ دار) کا بازاروں میں تجارت اور دست کاری کے پیشوں کے ذریعے روایتی زندگی حسب دستور جاری تھی۔ اس دور میں اگر مذہب دشمن نظریات کے ساتھ مزدور طبقے اور سرمایہ داروں کے درمیان طبقاتی کشمکش کی جستجو و تلاش کی جائے تو اس سے وقت ضائع کرنے کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا چنانچہ اشتراکیوں کو معاشرے میں ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ معاشرے میں کبھی اپنے نظریات و خیالات کے ساتھ منظر عام پر نہیں آ سکتے تھے۔

حقیقی معنوں میں جد و جہد کا اس وقت آغاز ہوا جب کہ میرزا کوچک خان نے شاہ اور استعماری طاقتوں کے خلاف جد و جہد شروع کر کے اسلام اور آزادی کا نعرہ بلند کیا۔

باقی آئندہ

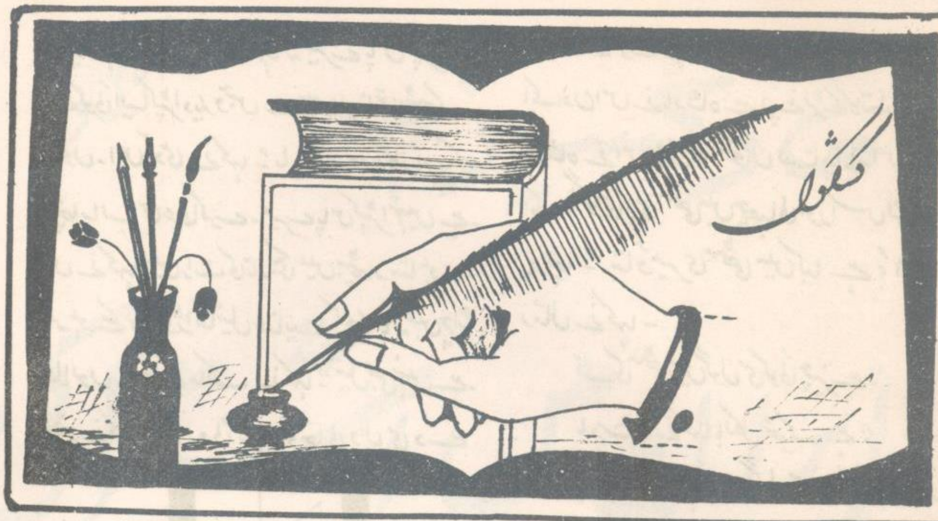

چار سوال :-

ایک شخص نے امیر المومنین حضرت علیؑ بن ابیطالبؑ کی خدمت میں عرض کیا "یا علیؑ! میں آپ سے چار سوالوں کا جواب معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" آپنے فرمایا پوچھو، کیا پوچھنا چاہتے ہو"؟ اس نے کہا "یا علیؑ! یہ بتائیے کہ:

۱۔ واجب کیا ہے اور واجب تر کیا ہے؟

۲۔ نزدیک کیا ہے اور نزدیک تر کا کیا مطلب ہے؟

۳۔ عجیب اور عجیب تر کیا ہے؟ ۴۔ دشوار کیا ہے اور دشوار تر چیزیں کونسی ہیں؟

حضرت امیرؑ نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

۱۔ خدا کی اطاعت واجب ہے لیکن جن چیزوں پر اس مالک حقیقی نے پابندی عائد کی ہے ان کا ترک کر دینا واجب تر ہے۔

۲۔ قیامت نزدیک ہے اور موت نزدیک تر ہے۔

۳۔ دنیا عجیب ہے اور دنیا کے فریب کا شکار ہونے والا عجیب تر۔

۴۔ قبر میں داخل ہونا امر دشوار ہے اور بغیر کسی سامان سفر کے اس میں داخل ہونا دشوار تر ہے۔

خاموشی :-

ایک شخص کو خودستائی کی بیماری تھی اور وہ ہمیشہ اپنے منہ سے اپنی تعریف کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے فرانسیسی زبان کے مشہور ڈرامہ نگار آلفر ساوا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: میں فرانسیسی، انگریزی اور ایٹالیائی زبان میں اہل زبان کی طرح

گفتگو کر سکتا ہوں۔"

اس فرانسیسی دانشور نے کہا "یہ بتائیے کہ آپ کس زبان میں خاموشی اختیار کر سکتے ہیں؟"

نفس امارہ :-

ایک عالم سے لوگوں نے پوچھا "بہشت کتنی دور ہے؟" اس نے جواب دیا "ایک قدم"۔ لوگوں نے اس کے اس معنی خیز جملے کی وضاحت چاہی۔

اس مرد عالم نے کہا "اس میں ایسی کونسی چیز ہے جو تم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی۔ ارے بھائی! اپنا ایک پیر نفس امارہ پر رکھو اور دوسرے پیر سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

پیغمبری کا دعوی :-

پیغمبری کا دعویٰ کرنے والے ایک شخص کو عباسی خلیفہ معتصم کے پاس لے آئے۔

معتصم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا: میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو ایک احمق پیغمبر ہے"۔ اس نے کہا "ہاں، اس کی وجہ یہ ہے کہ تجھ جیسے شخص کے قدموں پر مجھے بعثت ملی ہے۔"

خودکشی :-

اپنے والدین سے ناراض ہو کر ایک گائے نے خودکشی کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اس نے ٹیلیفون اٹھایا اور کہنے لگی ہلو! برائے مہربانی ایک قصاب بھیج دیجئے۔"

نصیحت :-

برے لوگوں کی ہم نشینی اختیار کرنے والے کو برا ہی کہا جاتا ہے چاہے اسے ان لوگوں کی برائی سے کوئی سروکار نہ ہو۔

بولتی ہوئی چھت :-

ایک آدمی نے ایک مکان کرایہ پر لیا۔ اس مکان کی چھت کی لکڑیوں سے اکثر آواز آیا کرتی تھی۔ وہ مالک مکان کے پاس آیا اور اس چھت کی مرمت کی بات چھیڑی۔

مالک مکان نے جواب دیا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ دراصل چھت کی لکڑیاں اپنے پروردگار کے ذکر میں مشغول رہا کرتی ہیں۔"

اس آدمی نے جواب دیا" وہ تو ٹھیک ہے مگر میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ لکڑیاں ذکر خداوندی کی منزلوں سے گزرتے ہوئے سجدۂ الٰہی میں نہ مصروف ہو جائیں۔"

اٹھ کھڑے ہو :-

ایک فقیر ایک آدمی کے دروازہ پر آیا اور کہنے لگا" اے بھائی! میں بھوکا ہوں کچھ کھانا کھلا دیجئے۔ گھر کے مالک نے کہا" بابا معاف کرو۔ کھانا ختم ہو گیا ہے۔ اس فقیر نے کہا کہ میرے پاس کپڑا نہیں ہے کوئی ایسا کپڑا دیدو جس سے میں اپنا تن ڈھک سکوں۔ اس آدمی نے کہا" بابا! پروردگار آپ کو اچھا سا لباس عطا کرے۔ میرے پاس کپڑا نہیں ہے۔ اس نے کہا" میں رات کی تاریکی میں بیٹھا رہتا ہوں۔ اگر ہو سکے تو تھوڑا سا تیل عنایت کیجئے تاکہ میں چراغ جلالوں" گھر کے مالک نے کہا" تیل بھی نہیں ہے۔ فقیر نے کہا" اگر روٹی نہ ہو تو خالی دال ہی دے

دیجئے تاکہ دوسرے کے یہاں سے روٹی مانگ کر اپنی بھوک مٹا لوں گا" گھر والوں نے جواب دیا" بابا! وہ بھی نہیں ہے" غرض کہ فقیر نے جو کچھ طلب کیا گھر والوں نے اس کے جواب میں صرف اتنا ہی کہا کہ نہیں ہے۔

آخر کار فقیر نے چلاتے ہوئے کہا۔ آخر تم لوگ گھر کے اندر کیوں بیٹھے ہوئے ہو۔ اٹھو میرے ساتھ آجاؤ۔ ہم لوگ ایک ساتھ رہ کر فقیری کریں!

یہ اس کے عقل کی خرابی ہے:

کہتے ہیں کہ ایک غیب گو یا رمال نے اپنا فن اپنے لڑکے کو سکھا دیا تھا۔ رمال کو شاہی دربار سے اچھی تنخواہ ملتی تھی۔ لہٰذا وہ یہ چاہتا تھا کہ اسکے بعد اس کے لڑکے کو دربار میں وہی عہدہ حاصل ہو جائے ایک دن اس نے بادشاہ سے اپنے لڑکے کا تعارف کرایا۔ بادشاہ نے اس لڑکے کا امتحان لینا چاہا۔ اس نے ایک انگوٹھی اپنی مٹھی میں چھپالی اور اس لڑکے سے پوچھا" بتاؤ میری مٹھی میں کیا ہے"؟ اس جوان رمال نے کہا۔

" آپ کی مٹھی میں گول سی کوئی چیز ہے"

بادشاہ نے کہا بالکل ٹھیک ہے"

پھر اس نے کہا" اس گول سی چیز کے درمیان ایک سوراخ ہے"

بادشاہ نے کہا" ٹھیک کہتے ہو۔ اب یہ بتاؤ کہ آخر وہ کون سی چیز ہے؟

اس جوان رمال نے تھوڑی دیر تک غور و فکر کرنے کے بعد کہا" ہاں، وہ چکی کا پتھر ہے۔

بادشاہ اس کی بات سے بہت ناراض ہوا اور اس لڑکے کے باپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا" آخر تم نے اسے کون سا علم سکھایا ہے کہ اسے انگوٹھی چکی کا پتھر نظر آتا ہے۔

اس شخص نے کہا" میں نے اسے علم سکھانے میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کی۔ دراصل یہ اس کے عقل کی خرابی ہے۔

رمضان المبارک :-

خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ الصوم لی وانا اجزی بہ روزہ میری ذات سے تعلق رکھتا ہے اور میں خود اس کی اجرت ہوں۔

پیغمبر اسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ روزہ، روزہ دار کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھتا ہے۔ مولائے متقیان ع کا قول ہے کہ گناہوں کے خیال کو پاک رکھنے والا روزہ پیٹ کے اس روزہ سے زیادہ بہتر ہے جس میں کھانے پینے سے پرہیز رکھا جاتا ہے۔

پندرھویں قسط

مارکسیزم

ایران میں اشتراکی تحریک

عہد حاضر کے دوران اس منطقے میں جہاں ہم آباد ہیں دو اہم واقعات رونما ہوئے۔ اگرچہ دونوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ تو نہیں کیا جاسکتا لیکن انقلاب کے پس منظر میں اسلام اور مارکسیزم کے درمیان جو نمایاں فرق ہے وہ ان واقعات سے واضح ہو جاتا ہے۔ ان میں سے پہلا واقعہ ایران کا اسلامی انقلاب ہے اور دوسرا مارکسی بغاوت کا وہ فتنہ ہے جو افغانستان میں برپا ہوا۔

ایران کے اسلامی انقلاب کے دوران شاہ کی حکومت اور اس کے سامراجی حامی وطرفدار عوام کی شدید تنقید کا نشانہ بنے رہے۔ اس جدّوجہد کی اصل طاقت مسلم مجاہدین تھے جن کا تعاقب ساواک کرتی رہتی اور ایذارسانی نیز موت کے گھاٹ اُتارنے میں ذرا بھی دریغ نہ کرتی مسلم مجاہدین کے علاوہ آزادی پسند (LIBERALISM.) اور اشتراکیت پسند (COMMUNIST) عوام بھی جو انواع واقسام کے گروہوں میں منقسم تھے اپنے تنقیدی نظریات کا اظہار کرتے رہتے۔ اشتراکی گروہ جن میں تودہ نامی ممنوعہ جماعت بھی شامل تھی ملک کے باہر سے سرگرم عمل تھی۔ جس وقت انقلابی تحریک ہر طرف پھیل گئی تو جلد ہی یہ بات بھی عیاں ہو گئی کہ امام خمینی کی قیادت میں مسلم مجاہدین کا عوام کے افکار وخیالات پر بے پناہ غلبہ اور اثر ورسوخ ہے۔ امام خمینی کی رہنمائی میں نہتے عوام نے اس حکومت کا مقابلہ کیا جو سر سے پیر تک ہتھیاروں سے مسلّح تھی۔ ان عوام نے تمام آلام ومصائب اور روحانی وجانی نقصانات برداشت کر کے اپنی جدّوجہد کو جاری رکھا۔ یہاں تک کہ شاہ کی پہاڑ جیسی سخت حکومت برف کی طرح پگھلنے لگی۔ شاہ کو فرار کرتے ہی بن پڑی حضرت امام خمینی جلاوطنی کے بعد دوبارہ ایران تشریف لائے۔ اور اب اس انقلاب نے جس میں کروڑوں انسانوں کی فتح ونصرت شامل تھی اپنے مطلوبہ نظام کی تعمیر کا آغاز کر دیا۔

آزادی پسند اور اشتراکیت پسند گروہ اُن چند برسوں کے دوران جب کہ انقلاب رونما ہوا اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہونے لگے۔ درحقیقت یہ دونوں گروہ ایسی طاقتیں تھیں جنہیں اسلامی انقلاب سے کوئی سروکار نہ تھا البتہ وہ اس میں تصادم اور اختلاف پیدا کرنا چاہتی تھیں۔ اسلامی انقلاب حقیقی معنوں میں ایسا انقلاب تھا جس نے نہایت ہی وسیع پیمانے پر عوام کے درمیان مقبولیت حاصل کی اور یہ انقلاب امام خمینی کی قیادت میں اسلام کے زیر پرچم قربانی وشہادت کے نام پر کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

افغانستان کی بغاوت :-

اگر افغانستان کے انقلاب کو اصطلاحاً انقلاب کہا جاسکتا ہے تو اس میں وہاں کے عوام کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ حقیقی معنوں میں یہ انقلاب نہ تھا بلکہ کمیونسٹ پارٹی کی طرف سے ایک فوجی شورش و بغاوت تھی جو وہاں بپا کی گئی۔ چنانچہ جلد ہی دو اشتراکی گروہ یعنی 'پرچم' اور 'خلق' جو ظاہراً باہم معاون تھے مگر اندرونی طور پر سخت دشمن تھے ایک دوسرے کی شدید مخالفت پر اُتر آئے۔ جب پرچمیوں کو میدان سیاست سے نکالا گیا تو فوجی بغاوت نے دوسرا رخ اختیار کیا۔ اس مرتبہ پرچمی اور روسی فوجی میدان سیاست میں ایک ساتھ مل کر وارد ہوئے۔ انہوں نے "خلق" جماعت کو قیادت سے محروم کر دیا اور حفیظ اللہ امینی کو قتل کرا دیا۔ یہ بات مکمّل طور پر واضح ہے کہ افغانستان میں جو واقعات رونما

ہوئے وہ ایک ایسی اقلیتی جماعت کی تحریک کا نتیجہ تھے جس کا عوام پر ذرا بھی اثر نہ تھا۔ چنانچہ اس اقلیتی گروہ نے نہ صرف اپنے لیے بلکہ اپنی حامی وطرفدار حکومت کے لیے بھی عالمی سطح پر پریشانیاں پیدا کر رکھی ہیں نیز افغانستان کی اس بغاوت پر شروع سے ہی مسلم مجاہدین کا دباؤ رہا ہے۔ اور آج بھی ان کی اپنی جدّوجہد حکومت کی طاقت اور روسی دباؤ کے خلاف جاری ہے۔

اس صورت حال کی وجہ یہ ہے کہ مارکسی نظریے (IDEOLOGY) نے ایک کمزور

> اقلیتی گروہ نے نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنی حامی وطرفدار حکومت کیلئے بھی عالمی سطح پر پریشانیاں پیدا کر رکھی ہیں نیز افغانستان کی اس بغاوت پر شروع سے ہی مسلم مجاہدین کا دباؤ رہا ہے اور آج بھی ان کی جدوجہد حکومت کی طاقت اور روسی دباؤ کے خلاف جاری ہے

طاقت کی سازش کو پورے معاشرے پر مسلّط کر دیا مگر اب اس کا تصادم افغانستان کے اس اسلامی معاشرے سے ہے جو ان اثرات کی مزاحمت کرتا ہے چنانچہ اس وقت افغانستان میں جو کشمکش و آویزش پائی جاتی ہے وہ آسانی سے دور ہونے والی نہیں۔ ایران کے اسلامی انقلاب کا افغانستان کی مارکسی بغاوت سے مقابلہ کیا جائے تو اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جائے گا۔ کہ چونکہ مارکسی نظریے کا کل انحصار جبر و طاقت پر رہا ہے اور وہ روحانیت کو تسلیم نہیں کرتا اسی لئے اسلامی انقلاب اس نظریے کی اعلانیہ تردید کرتا ہے۔

تاریخ اور اس کے متعلق مارکسیزم کا جبری فیصلہ

روس میں تاریخ سے متعلق درسی کتابیں جو کروڑوں کی تعداد میں شائع ہوتی ہیں نیز تاریخ کے موضوع پر عمومی اور خصوصی مطالعے کیلئے جو کتابیں وہاں تالیف کی جاتی ہیں ان میں انسانی تاریخ کو پانچ حصّوں میں اس ترتیب سے تقسیم کیا گیا ہے۔
(۱) ابتدائی معاشرہ (۲) معاشرہ دارۂ غلامی (۳) جاگیر دارانہ معاشرہ، (۴) سرمایہ دارانہ معاشرہ، (۵) اشتراکی معاشرہ۔

اگرچہ اجتماعی نظام کوئی ایسا عنوان نہیں ہے جو اپنے موضوع کے اعتبار سے بالکل نیا ہو۔ لیکن تمام اجتماعی نظامات کو جمع کر کے سب سے آخر میں ان کے ساتھ اشتراکی نظام کو چسپاں کر دینا واقعی ایک بات ہے۔ یہ سب باتیں کہنے سے مراد یہ ہے کہ آدمی خواہ کسی بھی راہ سے گذرے مگر انجام کار اس کی آخری منزل اشتراکیت ہی ہوتی ہے۔

اس وسیع و متنوع دنیا میں تمام چیزوں کا پانچ نظاموں کے تحت خلاصہ کر دینا ایک قسم کا جبری فیصلہ ہے۔ ایشیا نیز سیاہ براعظم افریقہ کے علاوہ میکسیکو اور پیرو میں بسنے والی اینکا اور آزٹک اقوام کا جس تمدّن سے تعلق رہا ہے وہ ایک جداگانہ معاشرہ تھا۔ ان اقوام کے سامنے روم، یونان، فرانس، اٹلی، جرمنی اور انگلستان کے تمدّن بطور نمونہ نہیں رہے۔

غلامی نے یونان اور روم اور بالخصوص روم میں بہت بڑی حد تک ارتقا کا استثنائی سفر طے کیا ہے چنانچہ جس زمانے میں ارتقائی سفر جاری تھا اس وقت جرمن اور اسلاؤ جیسے بڑے قبائل کے ترک وطن کی وجہ سے روم میں غلاموں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی تھی جو پیداوار کے تمام شعبوں پر اثر انداز ہوئی۔ جس زمانے میں رومی نظام برقرار تھا سفید فام غلاموں کی تعداد کافی حد تک کم ہوئی مگر اس نظام کو ایشیا کے لیے کسی طرح بھی ایک مثالی نظام قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر ایران کو ہی لے لیجئے یہاں غلامی کا رواج روم کے غلامانہ نظام کے ہرگز مشابہ نہ تھا بلکہ روم کے مقابلے میں یہ کہیں

> جس زمانے میں رومی نظام برقرار تھا سفید فام غلاموں کی تعداد کافی حد تک کم ہوئی مگر اس نظام کو ایشیا کیلئے کسی طرح بھی ایک مثالی نظام قرار نہیں دیا جاسکتا۔

محدود تھا۔ اس ملک میں بڑے بڑے زمینداروں یا جاگیرداروں نے اپنے امور کو اس طرح مرتب و منظّم نہیں کر رکھا تھا جب کہ فرانس اور انگلستان میں دستور تھا۔ اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ مشرق میں جو ستمگرانہ نظام رائج تھا وہ مغربی نظام کے مماثل ہرگز نہ تھا۔

اسی طرح مغربی ایشیا میں بشمول ایران آبیاری کا جو نظام رائج تھا اُس کی نظیر یورپ میں کہیں نہیں ملتی۔ اس قسم کے مخصوص معاملات کی مثالیں اور بھی

(باقی ص ۴۶ پر)

اقتباس از وصیت نامہ شہید علی خدا اکرم پور

......ایک ایسے دور میں جب کہ ساری دنیا دیو صفت بڑی طاقتوں کے خونخوار چنگل میں بُری طرح پھنسی ہوئی ہے، دنیا کے تمام کمزور اور پسماندہ لوگ ان سامراجی ظالموں کے وحشیانہ مظالم کے بھاری بھرکم بوجھ کے نیچے دبے ہوئے ہیں اور عالمی ذرائع ابلاغ ان انسانیت سوز مظالم کی حمایت پہ کمربستہ ہیں، ایک مسلمان کا گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنا اور کسی طرح کی سماجی تحریک سے علیحدگی اختیار کیے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مسلمان اپنی عظیم ذمہ داری کو پورا نہیں کر رہا ہے جس کے لیے اسے دنیا میں خلق کیا گیا ہے۔ دنیا کے آزادی طلب کمزور اور پسماندہ مظلوموں کی درد بھری آواز پر لبیک نہ کہنا خون حسینؑ کے ساتھ خیانت ہے۔ یہ خاموشی ان لوگوں کے ساتھ بھی خیانت ہے جنھوں نے اسلام کی سربلندی کیلئے انقلاب اسلامی ایران کی راہ میں شہادت کا پرجوش استقبال کیا شہیدان راہ حق کے مقدس خون کا ہر قطرہ ان کی مظلومیت کی گواہی دیتا ہے جنھوں نے عالمی فضا میں یہ آواز بلند کی تھی "جو لوگ حق کی راہ میں شہادت سے ہم آغوش ہو گئے انھوں نے حسینی کام انجام دیا اور جو لوگ باقی رہ گئے ہیں انھیں جناب زینب (س) کا کام انجام دینا چاہیے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو وہ سب یزیدی ہیں۔"

یہ وہ زمانہ ہے کہ انسانی حقوق کے نام پر ہر قسم کے وحشیانہ مظالم، قتل و غارتگری، لوٹ کھسوٹ اور خیانتوں کا بازار گرم ہے۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ ریگن و بیگن کی غلامی کرنے والے صدام جیسے اسلام دشمن افراد مسلمان ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں اور حسنی مبارک جیسے خود فروش لوگ اسلامی انقلاب کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر کر رہے ہیں۔ اور اس انقلاب اسلامی کے قائد عظیم الشان کو کفر سے منسوب کر رہے ہیں اور اس اسلامی انقلاب کے خلاف بھیانک قسم کی جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ ایسے عالم میں ایک نوجوان ایرانی مسلمان کا بستر مرگ پر دم توڑنا یقیناً باعث شرم ہے۔ میں بھی حسینؑ شہید کے ارمانوں کو پورا کرنے کیلئے اور امام خمینی جیسے نائب برحق کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے محاذ جنگ کی طرف پیش قدم ہوں تاکہ اپنی ذمہ داری کو بخوبی انجام دے سکوں۔ پس اگر اس راہ میں مجھے شہادت کا شرف حاصل ہو جائے تو ملت اسلامیہ ایران سے میری یہی خواہش ہے کہ قائد انقلاب کے فرمان کی پیروی کرتے ہوئے میدان عمل میں پوری طرح ثابت قدم رہے۔ ایران کے سبھی مسلمانوں کو اس حقیقت سے باخبر رہنا چاہیے کہ راہ حق میں شہادت سے ہم آغوش ہونے والوں نے انہیں عظیم ذمہ داری سونپی ہے لہٰذا ایک لمحے کیلئے بھی غفلت نہ ہونے پائے ورنہ موقع کی تاک میں لگی ہوئی بڑی طاقتیں انھیں نگل جائیں گی۔

آپ لوگوں سے میری خواہش یہ ہے کہ امام خمینی کے حق میں دعا کریں کہ پروردگار عالم امت اسلامیہ عالم کے اس دھڑکتے ہوئے دل کو امام مہدیؑ کے انقلاب تک زندہ و سلامت رکھے۔ ●

ایران کا اسلامی انقلاب
شمشیر پر خون کی کامیابی

آخری قسط

از: سیدہ عذرا زیدی

مختصر لفظوں میں ۱۵ خرداد کا یہ خونی واقعہ اس تحریک اسلامی کا سلسلۂ آغاز تھا۔ یہی وہ مبارک دن تھا جب روح اللہ امام خمینی نے ملّت اسلامیہ ایران کو شاہ پہلوی کی حکومت کے ظلم و ستم سے نجات دلانے کے لئے مغرب پرست ایرانی معاشرہ کو اسلامی معاشرہ میں تبدیل کرنے کے لئے ..... "شجر انقلاب اسلامیہ" کا بیج بو دیا تھا اور تقریباً ۱۵ سال تک اس "شجر تحریک اسلامی" کی آبیاری ہزاروں لاکھوں فرزندان توحید اپنے پاکیزہ لہو سے کرتے رہے۔ اس بیچ امام خمینی فرانس میں جلا وطنی کی زندگی گزارتے رہے اور وہیں سے اپنے پیغامات کے ذریعہ ملت ایران میں تعلیمات اسلامی کا صور پھونک کر اسے انقلاب کے لئے تیار کرتے رہے۔

یہاں تک کہ ۲۷ دی ماہ ۵۷ھ ش۔ یعنی ۱۷ جنوری ۱۹۷۹ء کو شاہ ایران ملک چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اور پھر حکومت کی باگ ڈور بختیار نے سنبھال لی۔

یکم فروری ۱۹۷۹ء (۱۲ بہمن ۵۷ھ ش) کے دن ۹ بجے آخر کار وہ مقدس اور نورانی ساعت آ پہونچی جب ملّت اسلامیہ کی امیدوں کا مرکز امام خمینی اپنی ۱۸ سالہ جلا وطنی کے بعد ایران واپس آئے۔ عوام کی ۳۳ کلومیٹر لمبی قطار نے اپنے اس رہنما کا پُرجوش استقبال اس انداز سے کیا کہ امام خمینی کی کار اٹھا کر اپنے کاندھوں پر رکھ لی۔ امام خمینی سب سے پہلے بہشت زہرہ پہونچے اور "شہیدان اسلام" کے لئے فاتحہ خوانی کے ذریعہ اپنے گل ہائے عقیدت پیش کئے۔ اب اسکے بعد وہ اسلامی انقلاب جس کی تیاری گذشتہ کئی سالوں سے ہو رہی تھی اب پورے زور شور کے ساتھ ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گیا۔ انقلاب کی آندھیاں چلنے لگیں۔ بے گناہ عوام کے خون سے ہولی کھیلی جانے لگی۔ اب عوام ہر قیمت پر ایران کے ۲۸ سالہ شہنشاہی ظالم نظام کو سرنگوں کر کے اسلامی حکومت کا نظام قائم کرنا چاہتے تھے یکم فروری سے لیکر ۱۱ فروری تک یہ چند روز اس طرح قیامت کے گذرے کہ اسلام کے طرفدار بے گناہ عوام کو ہزاروں آزمائشوں کے سنگین مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ ایک طرف کفر کے فراہم کردہ مہلک اسلحوں سے سرتا پا لیس زور آور شاہی قومی ریاست تھی اور دوسری طرف ایک کمزور مجبور اور نہتی آبادی ..... ہر طرف بے گناہوں کے خون کا دریا بہہ گیا ..... چاروں طرف لاشے، کراہیں، چیخیں اور آہیں ..... آخر کار لاکھوں مانگیں اور گودیاں اجاڑ کر لاکھوں قربانیاں لے کر یہ اسلامی انقلاب ایران میں ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہی ظالم نظام کا خاتمہ کرنے کے بعد ہزاروں مستضعفین و مظلومینِ عالم اور ملت ایران کی آرزوؤں کا مرکز بن کر (۲۲ بہمن ۵۷ھ ش) ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء کی شام کو کامیابی سے ہمکنار ہو گیا۔ ۱۱ فروری کے دن اسلامی انقلاب کی کامیابی کی شکل میں ایرانی عوام اور علمائے دین کی قربانیوں کی صبح نمودار ہوئی۔ اس نور کی تابش سے چودہ سو سالہ جمود پگھلنے لگا۔ ظلمت کا وجود کافور ہو گیا۔ ایران میں جو کچھ "اسلامی انقلاب" کی صورت میں نمودار ہوا۔ وہ یقیناً ایک معجزہ ہے اور اسی غیبی امداد کی ایک زندہ مثال ہے جس کی طرف قرآن پاک کی یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔ "وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی"۔

انقلاب کی تاریخ میں ایران کا اسلامی انقلاب

اپنی طرز کا وہ پہلا انقلاب تھا جس میں ایرانی عوام نے بغیر اسلحے اور بغیر کسی طاقت کا سہارا لئے محض قوت ایمانی، استقلال، عزم اور خدا پر توکل کا سہارا لیکر مغرب کی بڑی طاقتوں کے ہتھیاروں ان کے منصوبوں اور سازشوں پر فتح پائی تھی۔ اس جدوجہد میں ایرانی عوام نے نہ صرف یہ کہ انتہائی ترقی یافتہ ہتھیاروں۔۔۔۔ شاہ اور اسکی طاقتور فوج اور ہر طرف پھیلی شیطانی ساواک کا مقابلہ ہی کیا بلکہ انھیں ان بڑی طاقتوں (امریکہ اور روس) کی اندرونی و بیرونی سازشوں اور زہریلے پروپیگنڈوں کا بھی سامنا کرنا پڑا جو براہ راست یا بالواسطہ طور پر شاہ کی حمایت کر رہی تھیں۔ یہ انقلاب روس کے لئے بھی اتنا ہی نقصان دہ تھا جتنا کہ امریکہ کے لئے ۔۔۔۔ کیوں کہ اس نے دنیا سے بڑی طاقتوں کی حکمرانی اور اجارہ داری کو مٹا دیا۔ غرض کہ یکم اپریل ۱۹۷۹ء کو کئی لاکھ ایرانیوں کی جدوجہد کا ثمر بن کر ایران میں اسلامی نظام جمہوریت قائم ہوا اور عوام پرچم اسلام کے سایہ تلے متحد ہو کر کھلی فضاؤں میں سانس لینے لگے اس طرح اسلامی انقلاب کی شکل میں سرزمین ایران پر وہ آفتاب درخشاں طلوع ہوا جس نے اپنی نور بار ضیاؤں سے نہ صرف یہ کہ ایران بلکہ سارے عالم اسلام کو روشن و منور کر کے مسلمانوں کو لا الہ الا اللہ کے متعلق سوچنے پر مجبور کر دیا۔ انقلاب اسلامی ایران کی نورانی شعاعیں مراکش، تیونس، مصر، لبنان، بحرین، افغانستان، انڈونیشیا اور عراق کے ظلمت کدوں میں بھی پہونچیں۔ جیسا کہ ان ملکوں کے اندرونی واقعات سے ظاہر ہے۔ اسی خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے مصر کے روزنامہ "الاخبار" نے ۱۵ ار جنوری ۱۹۷۹ء میں لکھا تھا:

"ایران میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں انسے خود سر عرب حکمرانوں اور سربراہان مملکت عبرت حاصل کریں۔ ان کو اس وہم و گمان میں نہ رہنا چاہیئے کہ اسلحے کے بل پر اس خطے کی حفاظت کر سکتے ہیں جس پر وہ حکمراں ہیں"

انقلاب کی کامیابی کے بعد ایران نے "سینٹو" کے استعماری معاہدہ سے الگ ہو کر ناوابستہ ممالک کی تحریک میں شامل ہونے اور تمام استعماری معاہدوں مثلاً ۱۹۵۹ء کا معاہدہ جس میں امریکہ کو ایران کے داخلی معاملات میں مداخلت کا حق دیا گیا تھا اس طرح کے تمام معاہدوں کو توڑ کر "نہ شرقی نہ غربی" کی بنیاد پر آئندہ سیاست کا انتخاب کرنے

> **مسلمانوں کو لا الہ الا اللہ کے متعلق سوچنے پر مجبور کر دیا انقلاب اسلامی ایران کی نورانی شعاعیں مراکش، تیونس، مصر، لبنان، بحرین، افغانستان، انڈونیشیا اور عراق کے ظلمت کدوں میں بھی پہونچیں جیسا کہ ان ملکوں کے اندرونی واقعات سے ظاہر ہے**

کے فیصلے نے بڑی طاقتوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ لہٰذا ایران میں اسلامی نظام حکومت کے قیام کے بعد انہوں نے اس کے فروغ کو روکنے کے لئے چاروں طرف سے ایران کی اقتصادی ناکہ بندی کر دی۔ یہی نہیں بلکہ صدر عراق صدام کو جو عالمی سامراجیت کی رہنما بڑی طاقتوں کا "پالتو کتا" تھا۔ ترغیب دے کر ایران پر زبردستی جنگ مسلط کر دی کیونکہ دور حاضر میں اسلام کے نام پر کئی مملکتیں حاصل کی گئی ہیں لیکن وہاں اسلام کو پنپنے کا موقع نہ مل سکا اور اسلام کی آڑ لے کر اس فریبی اسلامی نقاب کے پیچھے باطل کو پھلنے پھولنے کی کھلی چھوٹ مل گئی۔ نتیجتاً ان اسلامی ممالک کے حکمراں اپنی غیر اسلامی حرکتوں کو بھی اسلامی رنگ دے کر عالم اسلام کو گمراہ کرتے رہے یہی وجہ ہے کہ ایران کا یہ "اسلامی انقلاب" غیروں کی تو بات کیا خود سربراہان مملکت اسلامیہ کے حلق سے نیچے نہیں اُتر رہا ہے اور وہ بجائے اس کے کہ حکم قرآن کی روشنی میں "نیکی اور اچھائی میں ایک دوسرے کی مدد کرکے" اس انقلاب کی قدر کرتے ہوئے تحریک اسلامی "شمع" کو فروزاں رکھتے، خود باطل کا آلہ کار بن کر اس چراغ کو گل کرنے میں لگ گئے ہیں۔

درحقیقت یہ ممالک اور بڑی طاقتیں ایران کی نہیں بلکہ ایران کے اسلامی نظام حکومت کی دشمن ہیں اور اسے ہر قیمت پر ختم کر دینا چاہتی ہیں دنیا سمجھ رہی ہے کہ اس طرح ایران کے بے سروسامان پاسداروں کو ہراساں کر کے "انقلاب اسلامی" کا وہ دم مٹانے میں کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ سہ

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

یہی وجہ ہے کہ آج صدام تمام حقیقت پسند مسلمانوں کی نفرت کا شکار ہو رہا ہے خود اس کے عوام اس کے مخالف بن رہے ہیں۔ صدام کی حالت یہ ہے کہ "دھوبی کا کتا گھر کا رہا نہ گھاٹ کا" ممکن ہے کہ بہت جلد صدام کی ناپاک روح کو یہ کہنا پڑے۔

مر کے بھی رسوا ہوئے ۔۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔!

دوسری طرف ایران جنگی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے بھی صبر کے ساتھ راہ حق پر گامزن ہے۔ اور صنعت زراعت۔ اقتصادی اجتماعی امور سیاسی معاملات۔ تعلیم و تکنیکی۔ اندرونی و بیرونی اور فوجی غرض کہ ہر شعبۂ حیات میں قابل صد رشک کامیابیاں حاصل کر رہا ہے۔ یہ امداد

نعبی نہیں تواور کیا ہے کہ شاہی دور میں امریکہ وروس کے سہارے پر جینے والے 'ایران' کا ہر قدم چاہے وہ تکنیکی کے میدان میں ہو یا اور کسی شعبۂ ترقیات میں آج خود کفالت کی طرف اٹھ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں محو حیرت ہیں۔ روس کچھ اور سوچنے پر مجبور ہے۔ امریکہ کے پائے استقلال جنبش میں ہیں۔ اور وہ ہر قیمت پر ایران سے اسلامی نظام حکومت' کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ تاکہ کہیں خود ان کے عوام اس نظریہ حکومت سے متأثر ہو کر انکی سامراجیت کے خلاف انقلاب نہ برپا کر دیں۔ اور انہیں ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے۔ اسی خوف کے زیر اثر انہیں بس ایک ہی ترکیب سوجھی ہے۔ کہ ہر طرف سے عراق کو مضبوط بنا دیا جائے۔ لہٰذا انہوں نے جنگ میں ہوئی عراق کی تباہ حالت کو پھر سے سنوارنا شروع کر دیا۔ عرب ممالک کی طرف سے عراق کو دی جانے والی امداد کا سلسلہ مسلسل جاری ہے۔

مالی امداد کے علاوہ افرادی امداد بھی عراق کو دی جا رہی ہے۔ اردن۔ مصر۔ سوڈان۔ مراقش۔ تیونس وغیرہ عربی ممالک نے اپنی بٹالینیں اور بریگیڈ تک عراق کی حمایت میں اس جنگ میں جھونک دیئے۔ امریکہ سے خریدے جانے والے سعودی عرب کے چار اواکس طیاروں نے ایرانی افواج کی سرگرمی کو عراق تک پہونچانے اور سمندری سطح پر چلنے والے ایرانی تیل بردار جہازوں کو عراقی میزائیلوں کا نشانہ بنانے کے لیے بر وقت اطلاعات فراہم کی ہیں۔ روس نے عراق کی شکستہ فضائیہ میں پھر سے جان ڈالی اور کھربوں ڈالر کے اسلحہ بطور قرض عراق پہونچنے لگے جنمیں مگ۔ لڑاکو طیارے۔ میزائیل۔ توپیں۔ اور فالتو پرزے مسلسل بھیجے جا رہے ہیں۔ امریکہ بھی کھلے عام عراق کی پشت پناہی زبانی اور مالی ہر انداز سے کر رہا ہے۔ لیکن ان تمام طاقتوں کی مخالفت کا مرکز "ایران" خدا کے فضل وکرم سے صبر کے ساتھ راہ حق پر گامزن ہے۔ ابھی تو صرف ایران جاگا ہے اور اس نے ہلکا سا الٰہی طاقت کا نمونہ پیش کیا ہے جس نے مشرق ومغرب کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ جس دن تمام عالم اسلام بیدار ہو جائے گا تو اس دن ان باطل پرست طاقتوں کو سر چھپانے کی جگہ بھی نہ مل سکے گی۔ انشاء اللہ۔

ایران۔ عراق جنگ جاری ہے۔ ایران کی طرف صرف خدائی طاقت ہے جبکہ دنیا کی تمام بڑی طاقتیں عراق کی پشت پناہی پر ہیں۔ ایرانی مجاہد صبر واستقلال کے ساتھ محاذ جنگ پر باطل کے ساتھ مصروف جنگ ہیں۔ مرسل اعظم ؐ کا قول ہے کہ وطن کی محبت ایمان کی نشانی ہے"! اور ایران کے بہادر پاسدار اس قول کی زندہ تفسیر ہیں۔ خدا کرے کہ یہ شیر دل مجاہد جلد فتح سے ہمکنار ہو جائیں۔ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَتْحٌ قَرِیْب۔ انشاء اللہ فتح حق کے قدم چومے گی۔

کیونکہ 'شہید' کا پاکیزہ لہو وہ نہیں جو نشہ رگ سے خارج ہو کر پھر جوش نہ مارے۔ یہ وہ خون نہیں جو دب کر نہ ابھرے اور زمین کی رگوں میں چپ چپاتے سما جائے۔ یہ وہ خون نہیں جو گر کر نہ اٹھے۔ یہ رنگ لانے والا خون ہے۔ یہ برسوں تک سطح خاک پر موجیں مارنے والا خون ہے۔ عالمی سامراجیت اور ظالمانہ روش کے ٹھیکے داروں ؟ دیکھو یہ تمہاری بربریت اور ظلم وتشدد کا شکار بننے والے۔ ایران کے بے گناہ نوجوانوں، معصوم بچوں اور ضعیف العمر رضا کاروں کا لہو ہی ہے جسنے تمام مسلمانوں کو پرچم — لا الٰہ الا اللہ کے سایہ تلے ایک مرکز پر متحد کر دیا ہے۔ دنیا کی سپر پاورس کا سر غرور جھکا دیا ہے۔ تمہارے ظلم کی روداد سنا کر عالم انسانیت میں تمہیں رسوا کر کے قابل نفرت بنا دیا۔ دباؤ اس کو اگر دبا سکتے ہو۔ روکو اس کو اگر روک سکتے ہو۔ یہ قاتل کا دامن ہے۔ لیکن دبا دینا آسان نہیں۔

صدام اور اس کے آقاؤں کو اس خون کا قصاص ایک نہ ایک دن دینا ہی ہوگا۔ جو آسان نہیں۔ ہر قطرہ ستر ہزار جانیں مانگتا ہے۔ قصاص دیئے بغیر نہ بن سکے گی کیونکہ اس خون کا ولی خود خالق عالم ہے۔

" خون شہید کی پکار" ایک نہ ایک دن تمام عالم اسلام کو پرچم توحید کے زیر سایہ متحد کر کے ایسا طوفان لائے گی جو اپنے ساتھ ظلم وجور اور لادینیت کے تمام ٹھکانوں کو بہا کر لے جائے گا۔ صرف ظہور امام آخر زماں عج کی دیر ہے کیونکہ اس "اسلامی انقلاب" کے اصل قاید وہی ہیں۔ اور پرچم اسلام کی سربلندی کو صرف انہیں کی آمد کا انتظار ہے۔ ان کا ظہور ہی تمام مسلمانوں کی حقیقی عید ہوگا۔

۱۱ر فروری ۱۹۸۶ء کو ایران کے "اسلامی انقلاب" کی کامیابی کے سات سال پورے ہوتے ہیں اور اسلامی انقلاب کی کامیابی کی یہ ساتویں سالگرہ تمام دشمنان انقلاب اسلامی ایران کے منھ پر ایک زور دار طمانچہ ہے جو **من جانب اللہ** ہے۔

میں اس موقع پر" اپنے پاکیزہ لہو سے ایران کے اسلامی انقلاب کی تاریخ لکھنے والے تمام جانباز شہیدوں کی خدمت میں اپنا خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے صرف اتنا کہنا چاہتی **کہ**:۔

اسلام کے بہادر شہیدوں۔ تم سب پر ہمارا اسلام ہو، تاریخ اسلامی کو تم جیسے شہیدوں پر ہمیشہ ناز ہے اور رہے گا کیونکہ 'شہید اور اس کا پاکیزہ لہو ہمیشہ سے ہی بقائے اسلام کا ضامن رہا ہے۔

اس انقلاب کے بانی امام خمینیؒ پر بھی ہزاروں ..... لاکھوں سلام!

آخر میں تمام عالم اسلام کو رہبر انقلاب امام خمینی اور ملت ایران کو "انقلاب اسلامی" کی کامیابی کی یہ ساتویں سالگرہ مبارک ہو۔

ہو مبارک جشن یہ آزادی ایران کا
آٹھویں منزل میں ہے یہ ماہ اب اسلام کا ●

شمارہ ۲۶

ماہنامہ "راہ اسلام"

صحیح جوابات

ماہنامہ "راہ اسلام" کے شمارہ ۲۴ میں پوچھے گئے سوالات کا جواب حاضر خدمت ہے۔ انعامی مقابلے میں شرکت کرنے والوں سے التماس ہے کہ سوالوں کا جواب مختصر لکھا کریں۔

"ادارہ"

۱- یہ قرآن مجید کے سورۂ انعام کی ۱۵۵ ویں آیت مبارکہ ہے جس کا مطلب ہے۔

"یہ برکت والی کتاب ہے تو تم لوگ اسی کی پیروی کرو اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔

۲- سورۂ احزاب آیت ۴۵۔

۳- میت کو تین غسل دینا واجب ہے۔

۱- ایسے پانی کے ساتھ جس میں بیری کے پتے ملے ہوں۔

۲- ایسے پانی کے ساتھ جس میں کافور ملا ہو۔

۳- خالص پانی سے۔

۴- مندرجہ ذیل افراد پر روزہ رکھنا واجب نہیں ہے۔

۱- جو شخص بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا یا جس کے لیے روزہ مشقت کا باعث ہو۔

۲- جو شخص کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جس کی وجہ سے وہ پیاس برداشت نہ کرسکتا ہو۔

۳- وہ عورت جس کے بچے کی ولادت قریب ہو اور روزہ اس کے حمل کے لیے مضر ہو۔

۴- وہ عورت جو کسی بچے کو دودھ پلاتی ہو اور روزہ اس بچے کیلئے جس کو وہ دودھ پلاتی ہے مضر ہو۔

۵- پیغمبر اسلام عام الفیل کے چالیسویں سال ۲۷ رجب کو مکہ کے قریب غارِ حرا نامی مقام پر مبعوث بہ رسالت ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی۔

۶- عہدۂ رسالت پر فائز ہونے کے بعد پیغمبرؐ اسلام نے ہجرت کے دوسرے سال قریش مکہ سے پہلی جنگ لڑی تھی یہ جنگ چاہِ بدر کے قریب ہوئی تھی۔ اس لئے اسے جنگِ بدر کہا جاتا ہے اس جنگ میں لشکر اسلام کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ اس میں لشکر اسلام کے چودہ افراد شہید ہوئے تھے اور سپاہیان اسلام نے قریش کے ۷۰ افراد کو قتل کر دیا تھا اور ان میں سے کچھ لوگوں کو اسیر بھی کر لیا تھا۔

۷- بعثی فوج کے خلاف ایران کے تازہ ترین حملے کا نام والفجر ۸ و ۹ تھا۔ اس فوجی کارروائی کے دوران سپاہیان اسلام نے عراق کے اہم فوجی اور بندری شہر فاؤ کو بعثی حکومت کے چنگل سے آزاد کرالیا۔ اس کے علاوہ عراق کے سلیمانیہ نامی شہر کی اونچی اونچی چوٹیوں کو بھی بعثی فوج کے قبضہ سے آزادی حاصل ہوگئی۔ اس وقت عراق کے یہ تمام علاقے سپاہیان اسلام کے قبضے میں ہیں اور ان تمام علاقوں میں پرچم اسلام لہرا رہا ہے۔

۸- ایران کی اس خواہش کا مقصد یہ ہے کہ اگر سعودی عرب، کویت اور عراق جیسے ملک تیل کی پیداوار اور اس کی برآمد کم کر دیں تو اس سے بین الاقوامی منڈی میں تیل کی گرتی ہوئی قیمت کو بہ آسانی روکا جاسکتا ہے۔ درحقیقت امریکہ اور اس کے ساتھی سامراجی ممالک نے اسلامی ملکوں کو نقصان پہونچانے کیلئے ایک ایسی سازش پھیلا رکھی ہے جس کی وجہ سے تیل کی قیمت میں بھاری کمی واقع ہوگئی ہے۔ اس سازش کو ناکام بنانے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ تیل کی پیداوار اور اس کی سپلائی کم کردی جائے۔

۹- حجت الاسلام سید علی خامنہ ای اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر مملکت ہیں۔ یہ ان کی صدارت کا دوسرا دور ہے۔ انھوں نے اپنے حالیہ سفر کے دوران پاکستان، زامبیا، زیمبابوے، تنزانیہ اور انگولا جیسے ممالک کا دورہ کیا تھا۔ ان ممالک کے عوام نے صدر خامنہ ای کا تاریخی استقبال کیا جس کی وجہ سے سامراجی دنیا میں ہلچل پیدا ہوگئی ہے۔

۱۰- امریکہ کی مدد سے فلپائن کے عوام پر برسوں سے حکومت کرنے والے مطلق العنان حکمران کا نام فرڈی نینڈ مارکوس تھا۔ اس ملک کے لوگوں نے ایک عظیم عوامی انقلاب کے ذریعہ اس کو فلپائن چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہونے پر مجبور کردیا۔ اس وقت مسز اکینو اس ملک کی سربراہ ہیں۔

۱۱- کچھ دنوں قبل ایران کے جزیرۂ خارک پر بمباری کی غرض سے حکومت فرانس نے ایسے

(باقی صـ۶ پر)

امریکہ اور لیبیا کے تعلقات پر ایک نظر

گزشتہ چند مہینوں اور ہفتوں میں ایسی بہت سی خبریں اور اطلاعات دنیا کے تمام ذرائع ابلاغ نے نشر و شائع کی ہیں جنمیں امریکہ کی جانب سے لیبیا کو متعدد بار دھمکی دی گئی ہے جیسا کہ اخبارات و رسائل سے معلوم ہوا ہے کہ ان دھمکیوں کا اصل سبب وہ حادثات و واقعات ہیں جو مسلسل روم اور ویانا میں اسرائیل کی ایل ایل (L.L.) نامی ہوائی جہاز کمپنی کے نمائندہ دفاتر (AGENCIES) کے سامنے رونما ہوئے جن میں ۱۹ افراد مارے گئے اور بہت سے زخمی ہوئے اسی طرح دنیا کے بعض اخبارات و رسائل اور کچھ مغربی سفارتی ذرائع نے لیبیا پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ ان لوگوں کی پشت پناہی کر رہا ہے جنہوں نے اٹلی کا بحری جہاز اکیلہ لارو اغوا کیا ہے۔ مذکورہ جہاز گزشتہ سال نومبر میں اغوا کیا گیا تھا اور اسی بنا پر ریاستہائے متحدہ امریکہ نے گزشتہ چند ہفتوں میں بغیر کسی توقف کے لگاتار لیبیا کو ہوائی حملوں کے ذریعے دھمکیاں دیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں کچھ یورپی حکومتوں نے واشنگٹن کے اس اقدام کی حمایت بھی کی اور اس کے مقابل دنیا کے اکثر ممالک نیز تیسری دنیا کے تمام ممالک نے اعلان کیا ہے کہ اگر باہر سے کوئی بھی حملہ ہوگا تو وہ لیبیا کی حمایت کریں گے۔

اگر قاعدہ یہی ہے کہ کوئی بھی مسلح گروہ دنیا میں کہیں بھی لوگوں پر حملہ آور ہو تو اس کے اس عمل کو فوجی تجاوز قرار دیا جائے اور وہ اپنے حق میں جو بھی توجیہہ پیش کرے اسکے عوض بطور جرمانہ اس پر اقتصادی بار ڈالا جائے تو امریکہ کو چاہیئے کہ وہ کم از کم دو ملکوں یعنی اسرائیل اور جنوبی افریقہ کو زیادہ سے زیادہ سزا کا مستحق قرار دے کیونکہ یہ دونوں ہی ملک مختلف گروہوں کو منظم کرنے، انھیں ترتیب دینے اور اسلحہ فراہم کرنے میں ید طولی رکھتے ہیں اور انھوں نے اپنے اس عمل سے وسیع پیمانے پر اپنے ہی بے گناہ شہریوں کیلئے سرکاری سطح پر دہشت پسندی کے ماحول کو ہوا دے رکھی ہے۔

روم اور ویانا کے ہوائی اڈوں پر جو واقعہ رونما ہوا وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایسا منفرد تھا کہ گزشتہ دور میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی اور اس حادثے میں لیبیا یا کسی دوسرے ملک کے دخل انداز ہونے کی کوئی معقول وجہ بھی نہیں نظر آتی۔ لیکن لبنان و جنوبی افریقہ، اسرائیل اور جنوبی افریقہ جیسی دو نسل پرست حکومتوں کے دہشت پسندانہ روش کا تختۂ مشق بنے رہے ہیں اگر ان دو ملکوں کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو وہ خونریزی، دہشت پسندی غارت گری دردناک قتل عام اور لرزا دینے والے واقعات سے پُر نظر آئے گی۔ چنانچہ جو حادثات وہاں رونما ہوئے ہیں ان سے امریکہ بھی انکار نہیں کر سکتا۔

انہی واقعات کے سلسلے میں دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امریکیوں کی ان ممالک پر فوج کشی جن کی سرحدیں ان کے ملک سے کوسوں دور ہیں، سمندروں پر قبضہ، دنیا کے دور دراز مقامات پر ہوائی جہازوں پر مشتمل بحری بیڑہ بھیجنا، باغیانہ اقدامات میں دخل انداز ہونا، فوجی بغاوتوں میں حصہ لینا، بغاوتوں کے منصوبے تیار کرنا، دنیا کے مختلف ممالک اپنے تخریب کار عناصر کو سرگرم عمل رکھنا اور ان ممالک میں جن کی حکومتیں مادہ پرستی اور ایوان سفید کی توسیع پسندانہ روش کی مخالف ہیں۔ انقلاب دشمن گروہوں کو تقویت دینا کیا دہشت پسندی نہیں ہے؟ گرناڈا جیسے چھوٹے سے جزیرے پر حملہ آور ہونا اور اس پر یہ کہہ کر قبضہ کر لینا کہ اس کے علاوہ کوئی راہ حل نہیں کیا دہشت پسندی کو فروغ دینے کے مترادف نہیں؟

یہ ایک یکطرفہ واقعیت ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس کی دوسری جانب بھی مزید غور و فکر

کی ضرورت ہے۔

لیبیا اور امریکہ کے تعلقات میں جو بحران آیا ہے اور دونوں ملکوں کی حکومتوں میں جو اختلافات پیدا ہوئے ہیں ان کا ہماری رائے میں زیادہ گہرائی اور مزید دقتِ نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد ہی تجزیہ اور اس کی اصل ہیئت کا اندازہ لگایا جانا چاہیئے۔ آج تمام غیر جانبدار اہلِ سیاست، کل بین الاقوامی مبصرین اور سب ہی عالمی سیاست کے ماہرین یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ لیبیا اور امریکہ کے اختلافات ان مسائل پر نہیں جنہیں مغربی نیز صیہونی اخبارات و رسائل پیش کر رہے ہیں اور جن کے بارے میں دنیا کی چھوٹی اقوام کو بتایا جا رہا ہے بلکہ امرِ واقعی یہ ہے کہ اصولی طور پر امریکی ہر اس حکومت کے مخالف ہیں جو ایوانِ سفید کے آقاؤں کا طوقِ غلامی پہننے اور بندگی کا جوا اپنے کندھوں پر رکھنے کے لئے تیار نہیں۔

یہ ایک امرِ مسلّمہ ہے کہ ایسی حکومت اگر شمالی افریقہ جیسے فوجی نقطۂ نظر سے اہم و حساس منطقے میں واقع ہو تو وہ دوسری حکومتوں کے مقابلے میں امریکیوں کے غیظ و غضب کا سب سے زیادہ نشانہ بنے گی۔ ۱۹۶۹ء میں کرنل قذافی نے لیبیا کی زمامِ حکومت اپنے ہاتھوں میں سنبھالی، انھیں برسرِ اقتدار آئے سولہ سال کا ہی عرصہ گذرا ہے لیکن اس تمام مدت میں اس وقت سے آج تک لیبیا سیاسی و فوجی دھمکیوں اور امریکہ اور اس سے وابستہ مغربی ممالک کی اقتصادی ناکہ بندی کا شکار ہوتا چلا آرہا ہے تقریباً ۱۹۷۵ء میں لیبیا نے امریکیوں اور انگریزوں کی تمام فوجی اساس گاہوں کا خاتمہ کرنے، تیل کی کمپنیوں کو قومی ملکیت قرار دینے اور تمام مغربی ماہرین کو ملک سے باہر نکال دینے کے اقدامات کئے۔ درحقیقت یہ اقدام ہی امریکی حکومت کے ساتھ اختلاف کا سنگِ بنیاد ثابت ہوا۔ اس بنا پر امریکہ اور لیبیا کے درمیان جو تضاد پایا جاتا ہے اس کا اصل سبب کرنل قذافی کے استقلال پسندانہ اقدامات میں تلاش کرنا چاہیئے۔ لیبیا میں قذافی کی حکومت کے برسرِ اقتدار آنے کیساتھ ہی شمالی افریقہ میں یہ ملک امریکہ کی توسیع پسندانہ حکمتِ عملی کی مخالفت کا مرکز بن چکا ہے چنانچہ سادات کا سفرِ مقبوضہ فلسطین اور کیمپ ڈیوڈ (CAMP DAVID) جیسا شرمناک معاہدہ ایسے واقعات ہیں جنہوں نے واضح کر دیا ہے کہ شمالی افریقہ میں امریکہ کی حکمتِ عملی اور حکومت لیبیا کے درمیان اختلافات کی خلیج وسیع تر ہوتی چلی جارہی ہے۔ ان دونوں حکومتوں کا یہ تصادم لیبیا کی سرحدوں کے باہر اسکے ہمسایہ ممالک کے لئے کشیدگی و تنازعہ کا باعث بنا ہوا ہے۔ چنانچہ ۱۹۷۷ء میں مصر اور لیبیا کی فوجوں کا ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو جانا اس تصادم و اختلاف کی ایک نمایاں دلیل ہے۔

کرنل قذافی کی حکومت کے خلاف امریکیوں کا غیظ و غضب اس وقت اپنے اوج پر پہنچا جبکہ لیبیا کی حکومت نے ۱۹۸۰ء میں طرابلس میں واقع امریکہ کے جاسوسی کے اڈے کو معطل کر دیا اور وہ امریکی جاسوس جو وہاں سرگرم عمل تھے انھیں ملک سے باہر نکال دیا۔ لیبیا نے اپنے اس اقدام کے ساتھ ہی ایسے دوسرے بہت سے کام بھی انجام دیئے جو امریکیوں اور اس سے وابستہ مغربی ممالک کے مفاد کے قطعی منافی تھے انہی میں سے ایک اقدام یہ بھی تھا کہ اس نے اسی سال امریکہ اور مغربی یورپ کے ممالک کی اس بنا پر مذمت کی کہ وہ عراق کی صیہونی بعثی حکومت کی جانب سے مسلط کردہ جنگ کی حمایت کر رہے تھے چنانچہ اس نے بعثی حکومت کے تجاوز کارانہ رویے کی مخالفت کرتے ہوئے حکومتِ جمہوری اسلامی ایران کی حمایت و پشتیبانی بھی کی۔ اس کے بعد اس نے ۱۹۸۱ء میں گرگونی ووڈیہ کی حمایت کی خاطر اپنی فوجیں سرزمین افریقہ کے ملک چاڈ میں روانہ کیں تاکہ وہ "حسن بابرہ" کے ان زرخرید نوکروں سے جنگ کر سکیں جنھیں فرانسیسی فوج کی حمایت حاصل تھی۔ اسی سال بحرِ روم میں امریکہ اور لیبیا کا فضائی تصادم ہوا جس میں ایک ہوائی جہاز امریکہ کا اور دو لیبیا کے سرنگوں ہوئے نیز اسی سال اکسن نامی تیل کی کمپنی کے تمام ماہرین نے لیبیا میں کام کرنے سے انکار کر دیا اور اس ملک سے باہر چلے گئے چنانچہ جمہوری اسلامی ایران کے ماہرین نے ان کی جگہ رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کر دیں۔

ان شواہد کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ امریکہ اور لیبیا کے اختلافات سطحی نہیں بلکہ اس سے بہت گہرے ہیں جتنے بین الاقوامی حلقے ظاہر کرتے ہیں اس وقت دونوں ملکوں کے درمیان جو بحران چلا آرہا ہے اس کے لئے اگر راہ حل تلاش کرنا منظور ہو تو ہمیں ایوانِ سفید میں بیٹھے زمامداران حکومت کے تجاوز کارانہ اور جنگجویانہ رویّے کو نظر انداز نہیں کر دینا چاہیئے

امریکیوں کو چاہیئے کہ وہ یہ بات ہرگز فراموش نہ کریں کہ قرونِ وسطیٰ کا دہشت گردی اور بربریت کا دور ختم ہو چکا ہے آج دنیا کی تمام اقوام گذشتہ ہر دور کے مقابلے میں اپنے حالات کو بہتر طور پر سمجھتی ہیں اور اب وہ اس قابل ہیں کہ اپنی سرنوشت کو اپنے ہاتھوں سے متعین کر سکیں۔

یہ اٹھارویں یا انیسویں صدی نہیں اور یہ وہ زمانہ نہیں کہ برطانیہ فرانس یا پرتگال کے شہنشاہ پرپال یا کوپال نے جنگی بیڑہ بھیج کر کسی ملک کی سرنوشت کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ آج کے عہد میں اور اُس دور میں بہت بڑا بنیادی فرق ہے۔ موجودہ صدی اقوام کے شعور اور انکی بیداری کی صدی ہے اس صدی میں آزادی کی تحریکیں منظر عام پر آچکی ہیں اور اسی لئے کنگسٹر رگین کی حکومت کو یہ جان لینا چاہیئے کہ اب وہ کس دور اور کس صدی میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

جنگ میں کیمیاوی اسلحہ کے استعمال کئے جانے کے باعث پاکستان اور واٹیکن کی جانب سے عراق کی مذمت

خبر گذاری جمہوری اسلامی ایران کی اطلاع کے مطابق: جب سے خلیج فارس کی جنگ شروع ہوئی ہے۔ اس وقت سے ابتک پاکستان نے پہلی مرتبہ عراق کو براہ راست اپنی تنقید کا نشانہ اس بنا پر بنایا ہے کہ اس نے ایرانی افواج کے خلاف کیمیاوی اسلحہ استعمال کیا ہے۔

اسلام آباد میں وزارت خارجہ پاکستان کے ایک نمائندے نے کہا ہے کہ:

اقوام متحدہ کی تنظیم نے ماہرین کی جس جماعت کا تقرر کیا ہے اور اس نے تحقیق و تفتیش کی بعد جو نتائج پیش کئے ہیں ان کے باعث اس کے ملک کی حکومت کو عراق کے اس اقدام سے بہت زیادہ تشویش ہے۔ موصوف نے مزید کہا کہ "۱۹۲۵ء میں جنیوا عہد نامے میں اعلان کیا گیا تھا کہ اس قسم کے ہر اسلحہ کا استعمال ممنوع قرار دے دیا گیا ہے مگر عراق نے چونکہ اس عہد نامے کی خلاف ورزی کی ہے اس لئے حکومت پاکستان کو اسکا سخت افسوس ہے۔

وزارت خارجہ کے ترجمان نے کہا: اگر غیظ و غضب کا طریقہ اختیار کیا جائے اور انسانی قوانین اور فرائض پر بار بار حملے کئے جائیں تو گفت و شنید کے ذریعے جو حل نکل سکتا ہے اس کی راہ میں مزید دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وزارت خارجہ کے ترجمان نے مشورہ دیا کہ دونوں حریف ممالک کو چاہیئے کہ وہ اپنے لئے انسانیت سے متعلق اسلامی احکامات، بین الاقوامی حقوق اور عدل و انصاف کو اپنے سامنے بطور نمونہ رکھیں۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ پاکستان نے خلیج فارس کی جنگ میں ہمیشہ اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا۔ اُسنے اس جنگ کو برادر کشی سے تعبیر کیا اور تمام اسلامی ممالک میں اس نے ثالثی کی خدمت انجام دینے کے لئے سب سے زیادہ فعّال کردار ادا کیا ہے۔

واٹیکن نے بھی عراق کی مذمت کی

خبر گذاری جمہوری اسلامی نے روم سے اٹلی کی نیوز ایجنسی انسا کے حوالے سے یہ اطلاع دی ہے کہ واٹیکن کے سرکاری نقیب روزانہ اخبار "اسروبنور رمنو" نے ہفتے کے دن شائع ہونے والے شمارے میں ایک مضمون سپرد قلم کیا ہے جس میں عراق کی اس بنا پر مذمت کی گئی ہے کہ اس نے کئی مرتبہ ایرانی افواج کے خلاف کیمیاوی اسلحہ استعمال کیا ہے۔

مذکورہ نیوز ایجنسی نے مزید کہا ہے کہ کہ اس مضمون کے اندراج میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ ایران و عراق کی جنگ میں جس وحشی پن کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے اور خاص طور پر اس میں جس طرح کیمیاوی اسلحہ کا استعمال ہو رہا ہے نیز جس کی تصدیق اقوام متحدہ کی تنظیم نے کر دی اس کو دیکھتے ہوئے اب عیسائی دنیا اپنی نفرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

اس روزانہ اخبار نے اس امر کیجانب بھی اشارہ کیا ہے کہ اقوام متحدہ کی جانب سے جو تحقیقاتی وفد اس بات کی تفتیش کرنے کیلئے گیا تھا کہ آیا عراق نے کیمیاوی اسلحہ استعمال کیا ہے یا نہیں، اس نے یہ اطلاع دی ہے کہ عراق نے ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ بار بار ایران کی رزم آزما فوج کے خلاف کیمیاوی اسلحہ کا استعمال کیا ہے۔ ●

”ہم محاذ جنگ پر جانے کیلئے آمادہ ہیں“

حوزۂ علمیۂ قم کے علماء اور طلاب کی جانب سے اعلان

قم۔ تمام افواج کے فرمانداکل امام خمینی نے جب یہ بہت اہم فرمان صادر فرمایا کہ امت حزب اللہ جماعت کے اراکین مزید وسیع پیمانے پر اس محاذ جنگ پر جمع ہوں جہاں حق۔ باطل کے خلاف نبردآزما ہے اور محاذ جنگ کی پشت پر صف اول کی سپاہ کو تقویت پہونچانے کی غرض سے موجود رہیں تو حضرت امام کے اس فرمان کی پیروی کرتے ہوئے حوزۂ علمیۂ قم کے جامعۂ مدرسین نے ایک اعلان جاری کیا جس میں اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ اس حوزۂ علمیۂ کے علماء اور طلاب محاذ جنگ پر جانے کے لیے تیار ہیں۔

اس اعلان میں کہا گیا ہے:۔

دین اسلام کے اعلیٰ مقاصد اور اسلامی انقلاب کے عظیم رہبر کے عزائم کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے حوزۂ علمیۂ قم کی مجلس انتظامیہ نے حضرت آیت اللہ فاضل کی نگرانی میں یہاں کے ذمہ دار افراد کے تعاون سے ارکان حزب اللہ کی تشکیل کی ہے یہ تو ظاہر ہی ہے کہ جب پوری نبردآزما قوم کے افراد اور علماء دین محاذ جنگ پر جانے کے لیے آمادہ ہوں گے تو رجعت پسند عرب حکومتوں کی دھمکیوں، امریکہ کی اشتعال انگیز حکمت عملی اور عالمی استکبار کے غیظ و غضب کا ایسا دندان شکن جواب دیا جا سکے گا کہ ان کے حوصلے مستقبل میں ہمیشہ کیلئے پست ہو کر رہ جائیں گے۔

ایران کے اسلامی انقلاب جیسی محکم کوئی دوسری تحریک ابتک پوری دنیا میں کہیں بھی منظرِ عام پر نہیں آئی

پاکستان سے ہفتہ وار اخبار ”مسلم“ انگریزی زبان میں شائع ہوتا ہے۔ اس اخبار نے ایران کے اسلامی انقلاب کی کمیت و کیفیت کے بارے میں لکھتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ انقلاب کلّی طور پر اپنی نظیر آپ ہے۔ وہ اس انقلاب کے بارے میں مزید لکھتا ہے کہ یہ انقلاب جو عوام کی تحریک کے ذریعے علماء دین کی قیادت میں وقوع پذیر ہوا اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے مثال ہے۔

ہفتہ وار ”مسلم“ اخبار نے اپنے اس نظریے کی توجیہہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ۱۷۸۹ء کے انقلاب فرانس سے ۱۹۵۰ء کے انقلاب چین تک کوئی بھی ایسا انقلاب رونما نہیں ہوا جس کی بنیاد اس قدر وسیع پیمانے پر رکھی گئی ہو۔ ان انقلابات میں سے کوئی بھی انقلاب ایسا نہ تھا جس نے تمام انسانوں کو اس طرح فرسودہ نظام کے خلاف آمادہ کیا ہو۔

خبروں کے مرکزی یونٹ کی اطلاع کیمطابق اس مضمون کے دوسرے حصے میں کہا گیا ہے کہ اگرچہ انقلاب کے رہنماؤں کو ان تمام گروہوں کا مقابلہ کرنا پڑا جو اس بات پر مصر تھے اور سخت دباؤ ڈال رہے تھے کہ اسلامی اصول و روابط سے توجہ ہٹا کر قدیم نظام حکومت کو کامیابی کیساتھ برقرار رکھیں۔ لیکن اسلامی انقلاب نے ان تمام سختیوں کا تنہا مقابلہ کیا اور جدید اجتماعی نظام کی محکم بنیاد قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس ہفتہ وار اخبار نے انقلاب کے بعد دیگر ممالک سے تعلقات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ایران کے اسلامی انقلاب کی قیادت اگرچہ امریکہ کے لئے ناقابل برداشت ہے لیکن وہ ممالک جو یہ کوشش کر رہے ہیں کہ اپنے استقلال کی بنیادیں مستحکم کریں اور غیر ملکی تسلّط کا جُوا اتار پھینکیں وہ ایران کے ساتھ گہرے سیاسی تعلقات قائم کرنا اپنے لئے بہت آسان سمجھتے ہیں

یہاں اس ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے، کہ ہمارے دور میں سیاسی جغرافیے کی واقفیت نے نیا رخ اختیار کیا ہے چنانچہ اس تبدیلی کی وجہ سے روس میں ایک طرح کی بے چینی پائی جاتی ہے اور اسی لئے یہ ملک اپنی گذشتہ معاندانہ روش سے اجتناب کرتے ہوئے اب مجبور ہوا ہے کہ اپنی غلط حکمت عملی میں ترمیم کرے۔

دورِ گذشتہ میں ایران امریکہ کے زیرِ تسلّط تھا لیکن آج اس کا شمار اس حیثیت سے ہوتا ہے کہ اس کی مستقبل اسلامی حکمتِ عملی ہے اور اس اعتبار سے وہ ایک زندہ پیکر کے مانند موجود ہے۔ اس کی یہ حکمت عملی عام مسلمانوں اور خاص طور پر تیسری دنیا کی اقوام کے لئے تحریک کا موجب اور افتخار کا باعث ہے چنانچہ اس نے اسلامی زندگی کی راہ و روش اختیار کر کے کروڑوں ڈالر کی رقم کو ناجائز طور پر تلف

ہونے سے بچالیا ہے۔

محاذِ جنگ کے جنوبی حصّے پر جو حال ہی میں حملہ ہوا تھا اس نے ثابت کر دیا ہے کہ ایران تمام سختیاں برداشت کرنے کے باوجود اور چھ سال تک جنگ جاری رکھنے کے بعد آج بھی فوجی حیثیت سے گذشتہ ہر دور کے مقابلے میں زیادہ مضبوط اور طاقتور ہے۔

اسی جنگ میں ایران کے اسلامی جہاد کے نظریے کو بھی پیش کیا گیا جس نے ثابت کر دیا کہ عوام کتنی بڑی فوجی طاقت ہیں۔

ہفتہ وار "مسلم" اخبار نے مزید لکھا ہے:

اسلامی انقلاب کے وقوع پذیر ہونے کے بعد دنیا نئے دور میں داخل ہو گئی ہے اور دنیا کی جغرافیائی وضع و کیفیت دگرگوں ہو چکی ہے چنانچہ ہزاروں سال کی غفلت اور گمنامی کے بعد آج ایران میں زندگی کی نئی لہر دوڑتی نظر آتی ہے اور تجدید حیات کے اس دور میں اس کی ایک نمایاں حیثیت ہے۔

یورپ کے اقتصادی اجتماع کی جانب سے کیمیاوی اسلحہ استعمال کئے جانے پر عراق کی مذمت

تہران: خبرگزاری جمہوری اسلامی کی اطلاع کے مطابق ایران کے خلاف جنگ میں چونکہ عراق نے کیمیاوی اسلحہ استعمال کیا ہے اس لیے یورپ کے اقتصادی اجتماع (ECONOMIC SOCIETY) نے اس کے اس اقدام کی مذمت کی ہے۔

یورپ کے اقتصادی اجتماع کی جانب سے عراق کی مذمت اس وقت کی گئی جبکہ اقوام متحدہ کی جانب سے مقرر کردہ تحقیقاتی وفد نے نتائج اخذ کر کے اس بات کی تصدیق کر دی کہ عراق نے اُن کیمیاوی اسلحہ کا استعمال کیا ہے جنھیں بین الاقوامی سطح پر ممنوع قرار دیا جا چکا ہے۔ موجودہ وقت میں یورپ کے اقتصادی اجتماع کی صدارت کا مقام ہالینڈ کو حاصل ہے چنانچہ اس ملک کی وزارت خارجہ نے صدارتی اختیارات کے دائرہ عمل کو بروئے کار لاتے ہوئے اس امر کا اعلان کیا ہے کہ وہ تمام ممالک جو یورپ کے اقتصادی اجتماع کے رکن ہیں اُن کیمیاوی اسلحہ کے استعمال کئے جانے پر سختی سے مذمت کرتے ہیں جن کا ذکر اقوام متحدہ کی روداد میں کیا گیا ہے۔

یورپ کے اقتصادی اجتماع نے اپنے حالیہ جاری کردہ بیان میں کہا ہے کہ وہ اس بات کا متمنی ہے کہ جن کیمیاوی اسلحہ کو ۱۹۲۵ء کے جینوا عہدنامے میں ممنوع قرار دیا گیا ہے انہیں اس عہدنامے کا پاس کرتے ہوئے استعمال نہ کیا جائے مذکورہ بیان میں کہا گیا ہے کہ یورپ کے اقتصادی اجتماع کے بارہ اراکین ممالک اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ ایسا کوئی ممکن حل تلاش کرنے کی کوشش کی جائے جس کی رو سے بین الاقوامی سطح پر ایسے عہد و پیمان کا وجود عمل میں آئے جو کیمیاوی اسلحہ کے استعمال کو قطعی طور پر ممنوع قرار دے۔

● ● ● ● ●

بقیہ: صحیح جوابات

پانچ جنگی طیارے عراق کو سپلائی کئے تھے ان میں سے دو طیاروں کو سپاہیان اسلام نے نابود کر دیا اور باقی تین طیارے فرانس نے عراق سے واپس لے لئے کیونکہ عراقی فضائیہ میں ان طیاروں کے استعمال کی صلاحیت نہ تھی۔

۱۲- ہندی ہندوستان کی قومی اور سرکاری زبان ہے۔ اس کے علاوہ اردو، انگریزی، گجراتی، مراٹھی، سنسکرت اور دوسری علاقائی زبانیں بھی ہیں لیکن ان تمام زبانوں میں اردو کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ ہندوستان کے ہر علاقے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

۱۳- ہندوستان کے صوبہ بہار میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔

۱۴- انقلاب اسلامی عراق کے قائد عظیم الشان کا نام آیت اللہ محمد باقر الصدر تھا۔ ظالم صدّام نے انہیں اور ان کی ہمشیرہ بنت الہدیٰ کو انتہائی بے رحمی کے ساتھ شہید کر ڈالا۔ اس کا خیال تھا کہ آیت اللہ صدر کی شہادت کے بعد انقلاب اسلامی عراق کا کام تمام ہو جائے گا مگر اس کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا اور اس وقت عراقی عوام بعثی جلّادوں کے خلاف انقلابی سرگرمیوں میں لگے ہوئے ہیں۔

یا علی یا عظیم

يا علي يا عظيم يا غفور يا رحيم أنت الرب العظيم الذي
ليس كمثله شيء وهو السميع البصير وهذا شهر عظمته وكرمته وشرفته
وفضلته على الشهور وهو الشهر الذي فرضت صيامه علي
وهو شهر رمضان الذي أنزلت فيه القرآن هدى للناس
وبينات من الهدى والفرقان وجعلت فيه ليلة القدر
وجعلتها خيرا من ألف شهر فيا ذا المن ولا يمن عليك
من علي بفكاك رقبتي من النار فيمن تمن عليه وأدخلني الجنة
برحمتك يا أرحم الراحمين .

ماہ رمضان خدا کی ضیافت کا مہینہ سب مسلمانوں کو مبارک ہو۔

یوم قدس (جمعۃ الوداع) وہ دن ہے کہ تمام اسلامی اقوام کو باہم متحد ہونا چاہیے اور اس دن کو زندہ رکھنا چاہیے۔ امام خمینی

ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا